ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

ایک اہم فریضہ

’’مسلمانوں کا اسلامی تشخص اوران کی اسلامی شریعت پر عمل یہ ان کی ایسی ضرورت ہے کہ اگر اس میں رکاوٹ پڑتی ہے تو مسلمانوں کی بحیثیت مسلمان وجود باقی نہ رہ سکے گا، اور مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا عنوان ایک لفظ غلط بن کر رہ جائے گا، اس لیے جس طرح ہم اپنی اقتصادی ضرورتوں اور اپنے مادی تقاضوں کی فکر کرتے ہیں ہم کو اپنی شریعت کی حفاظت اور اس پر عمل کی رکاوٹوں کو دور کرنے کی فکر کا فریضہ بھی انجام دینا ضروری ہے‘‘۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

مرکز الإمام أبي الحسن الندوي

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

ملفوظات

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

ضعیف اور صحیح حدیث کا تصور

سرمایۂ حدیث نبوی تمام علوم ومعارف کے لئے مرجع اور اساس ہے، فرمایا: آج اسی عمدہ سرمایہ میں ضعیف وصحیح کا جھگڑا ہے، جس کو میں مغربی فکر سے تعبیر کرتا ہوں، چونکہ اہل یورپ اور مغرب کا مزاج بوڑھوں اور ضعفاء کو اولڈ ہاؤس میں رکھنے کا ہے، اور ان سے استفادہ نہ کرنے کا، اسی نظریہ کو وہ لوگ ضعیف حدیث پر منطبق کرنا چاہتے ہیں اور فرمایا ہماری فکر وتہذیب ہمہ وقت اپنے گھر کے ضعیف کو گھر کی زینت بنانے کی متقاضی ہے، حتی کہ خانگی معاملات نیز اجتماعی ومعاشرتی مسائل میں بھی بطور مشورہ ان کو ہمارے یہاں اولیت کا مقام دیا جاتا ہے، اور اسی کے ساتھ ساتھ اگر ہمارے ہی گھر میں کسی عمارت کو تعمیر کرنا ہوتا ہے، تو اس وقت ہم لوگ صحیح وتوانا حضرات کو مقدم کرتے ہیں، نیز فرمایا اب خود تطبیق کرلو کہ ہم ضعیف احادیث سے گھر میں خیر وبرکت صلح وامن کا پیغام دے کر زینت بخشنا چاہتے ہیں، البتہ عقیدۂ توحید کے مسئلہ پر جو کہ ایمان واسلام کی گویا مضبوط دیواریں ہیں اس کے قیام کے لئے ہم صحیح احادیث کا سہارا لیتے ہیں۔

اہل اللہ سے تعلق جوڑنے کی ضرورت

لکھنؤ میں ہماری ایک چھوٹی سی دوکان تھی، ایک بار اس میں پنکھا بہت تیز چل رہا تھا لیکن ہوا بالکل نہیں تھی، جب میکانک کو بلایا اس نے دیکھ کر بتایا کہ پر الٹے لگے ہوئے ہیں اس لئے ہوا نہیں دے رہا ہے، یہی حال آج ہمارا ہے کہ دین کی اشاعت وترویج کے لئے اجتماعات واصلاح معاشرہ کے اجلاس اور دیگر اہم موضوعات پر بڑی بڑی کانفرنسیں ہو رہی ہیں لیکن اس کا اثر معاشرہ پر پڑتا دکھائی نہیں دیتا اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے پر الٹے لگے ہوئے ہیں ان کو ٹھیک کرانے کی ضرورت ہے اور یہ ٹھیک وہ کرسکتا ہے جو ان کو ٹھیک کرنے کا ماہر ہو، اور وہ ہیں صرف اور صرف اہل قلب ونظر۔

شریعت میں مطلوبہ شجاعت

جذبات پر عقل غالب ہو، عقل پر شریعت غالب ہو، اصل بہادری یہی ہے، مطلوبہ شجاعت اسی کا نام ہے۔

درود شریف رحمت الٰہی کا ذریعہ

انسان جب درود شریف پڑھتا ہے تو رب العالمین کی اس پر رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اور اس کو اب سمجھنا بہت آسان ہے بالخصوص ۱۵ راگست کے موقع پر جب جھنڈا لہرایا جاتا ہے، تو ادھر آدمی جیسے ہی نیچے سے جھنڈے کی رسی کھینچتا ہے اور ادھر فوراً اوپر سے اس کے اوپر پھول جھڑتے ہیں، بالکل اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر مومن کے اوپر ایک جھنڈا لگا دیا ہے جب بھی وہ اس کی رسی کھینچتا ہے صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ فوراً اوپر سے بوچھار ہو جاتی ہے، رحمتوں کی اور عنایتوں کی۔

ظاہری علم بھی ضروری ہے

جب کسی عالم کا خدا کی ذات سے صحیح تعلق پیدا ہوتا ہے، اس کے اوپر معارف وحقائق کھلتے ہیں، اور تعلق جتنا زیادہ ہوگا، اتنا ہی معارف وحقائق ان پر کھلتے جائیں گے لیکن اس کے لئے پہلی شرط ظاہری علم ہے، جیسے کسی کو پانی کی ضرورت ہو تو وہ کنواں کھودتا ہے اور کھدائی میں پہلے اس کو اوپر سے پانی ڈالنا پڑتا ہے، اور پانی متعینہ فٹ تک ڈالنا پڑتا ہے، تاکہ اوپر کا پانی نیچے کے پانی تک پہنچ جائے پھر اندر سے پانی نکلتا ہے، پھر جتنا زیادہ گہرا ہوگا اتنا ہی صاف پانی نکلے گا، ٹھیک اسی طرح ظاہری علم کنویں کے پائپ کی مانند ہے اور خدا کا تعلق کھدائی کی مانند ہے، اور کسی کے پاس پائپ ہے اور کھدائی بھی کی ہے، لیکن جتنے سے پانی نکلتا ہے اتنی نہیں کی ہے، تب بھی پانی نہیں نکلے گا، اسی طرح ظاہری علم کے ساتھ ساتھ خدا کا تعلق بھی ہوگا تو ان شاء اللہ اوپر سے ان کو ملے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی
دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)
www.abulhasanalinadwi.org

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ (صدر، دار عرفات)

نگراں: مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہٗ (جنرل سکریٹری، دار عرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی | مفتی راشد حسین ندوی | عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی | محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

مارچ ۲۰۱۴ء

جلد نمبر:۶ ✻ شمارہ نمبر:۳

فہرست

کتاب ہدایت ورحمت ۳
بلال عبدالحی حسنی ندوی

امن عالم کا قیام اور امریکہ ۵
مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی

نسخہ-معاشرہ کی اصلاح کا ۶
مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

اسلامی عقائد-قرآن وحدیث کی روشنی میں ۸
بلال عبدالحی حسنی ندوی

قرآن کریم اور انسانی تربیت کے بنیادی اصول ۹
عبدالسبحان ناخدا ندوی

غسل کے چند مسائل ۱۳
مفتی راشد حسین ندوی

ایصال ثواب کی شرعی حیثیت ۱۵
محمد احسن عبدالحق ندوی

صحابہ کی زندگیاں اور ہمارا کردار ۱۷
سید خلیل احمد حسنی ندوی

برمی مسلمان-صدی کی مظلوم قوم ۱۹
محمد نفیس خاں ندوی

جُرَیج کی آزمائش ۲۰
ابوالعباس خاں

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات"
مرکز الإمام أبي الحسن الندوي، دار عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔ Mail: markazulimam@gmail.com

فی شمارہ: ۱۰ روپے | سالانہ: ۱۰۰ روپے

برمی مسلمانوں کی ذمہ داری

''اگر تم نے اس میں غفلت کی تو یاد رکھو میرے بھائیو! میں شاید اس وقت ہوں تمہیں یاد دلانے والا اور شاید ریکارڈ موجود ہو یا نہ ہو لیکن جو تم میں سے غور سے سنے گا وہ میری باتیں یاد کرے گا، میں کوئی صاحب فراست آدمی نہیں ہوں، میں کوئی روشن ضمیر آدمی نہیں ہوں جن کو مثلاً دس برس پہلے اللہ کی طرف سے کوئی بات دکھائی جاتی ہے لیکن یہ بات اتنی موٹی ہے، اتنی کھلی ہوئی ہے جیسے کوئی بارش دیکھے، کڑک سنے ہوا ٹھنڈی چلے اور وہ کہے کہ بارش آنے والی ہے اور پانی برسنے والا ہے اور پانی برس جائے تو اس کو کوئی ولی نہیں مانتا، یہ تو بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ بارش آنے والی ہے، اس طریقے سے میں آپ سے کہتا ہوں کہ بہت سخت دن آنے والے ہیں، خدا کے لیے اس وقت اپنے کاروبار کو اتنی اہمیت نہ دو جتنی اہمیت دیتے رہے ہو، اس وقت دین کے لیے کچھ کر لو، صور پھونک دو ایمان کا، توحید کا، رسالت کا، ایک مرتبہ برما کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اسلامی تہذیب دینداری اور توحید کا صور پھونک دو، ایک ایک مسلمان کو اچھی طرح باخبر کر دو، ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر کہو کہ یہ دین ہے اور یہ ایمان ہے، یہ کفر ہے یہ شرک ہے، شرک کی نفرت مسلمانوں اور ان کے بچوں کے دل میں بٹھا دو، بچوں کی تعلیم کا انتظام کرو اور گاؤں میں ایسے گاؤں میں کہ جس کا نام بھی کبھی نہ سنا ہو، اس کے ایک کنارے پر جھونپڑا پڑا ہے کسی برمی مسلمان کا جو اردو کا ایک لفظ بھی نہیں جانتا وہاں پر بھی پہنچو، اس کے جھونپڑے میں جا کر اس کے قدم پکڑ لو، اور اس سے کہو کہ اللہ کے بندے تو مسلمان ہے، مسلمان زندہ رہ اور مسلمان مر، اس کو ایسا کر دو کہ ارتداد اس کی طرف رخ بھی نہ کر سکے جیسے کہ وہ کسی لوہے کے قلعے میں محفوظ ہو جائے اس طرح اسے محفوظ کر دو اس کام کی فرصت ہے۔''

ذمہ داری سے غفلت کا انجام

''یہ دنیا فانی ہے، اس زندگی کی ہر چیز فانی ہے، دولت فانی، عزت فانی، حکومت فانی، اہل حکومت سن لیں یہ حکومتیں ان کی جانے والی ہیں، دولت والے سن لیں کہ دولت ان سے بے وفائی کرنے والی ہے، صحت والے سن لیں کہ یہ صحت ان سے منہ چرانے والی ہے، جو چیز باقی رہے گی، وہ صرف اللہ کا نام ہے، اور اللہ کے راستے میں محنتیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے جانفشانی، کوشش اور جدوجہد ہے، بڑا غنیمت وقت ہے جو گزر رہا ہے، اس میں اگر تم نے اپنے کاروبار سے وقت نکال کر کے ہدایت وتبلیغ کا اپنے اندر طریقہ پیدا کیا، اور پھر اس کے لیے کوشش کر لی، تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے انعام میں دنیا میں تم کو بہت دے دے گا، اور آخرت میں تم کو جنت عطا فرمائے گا، اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھو تم اس ملک میں نہیں رہ سکتے، یہ میں آج سیاسی آدمی کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس روشنی میں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر مسلمان کو عطا فرمائی ہے، اس روشنی میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اس ملک میں تمہارا رہنا مشکل ہو جائے گا اگر تم نے دین کے لیے خلوص کے ساتھ کام نہ کیا اور جب وہ حالت پیدا ہوگی تو اس وقت نہ تمہاری دکانیں محفوظ رہیں گی، نہ تمہارے کارخانے محفوظ رہیں گے یاد رکھو حفاظت کا سامان اوپر سے ہوتا ہے کسی ملک میں مسلمانوں کی حفاظت کا سامان اوپر سے ہوتا ہے، کسی ملک میں مسلمانوں کی حفاظت کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ وہ دین کے لیے جدوجہد کر لے، اور دین کو اتنا طاقت ور بنائے کہ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اس قول کی حفاظت اپنی طرف سے فرمائے ان کی نصرت خدا طرف سے ہوتی ہے، پھر ان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (تحفۂ برما)

مدیر کے قلم سے

کتاب ہدایت ورحمت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

قرآن مجید امن عالم کا پیغام ہے تو کلمہ لا الہ الا اللہ اس کا حسین عنوان ہے، جس میں ہر نفی (Negative) اثبات کے لیے ہے، اس کے بالکل برعکس دنیا میں موجودہ کسی اور نظام کا اگر گہرائی کے ساتھ تجزیہ کیا جائے تو نظر یہ آتا ہے کہ ہر اثبات نفی کے لیے ہے، پوری دنیا آج اسی گتھی میں الجھتی چلی جارہی ہے، اور اس کو صحیح زندگی کا سرا ہاتھ نہیں آتا، اور اس سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ کسی کو اس کی فکر بھی نہیں کلی کلی خواب ناز میں مست نظر آتی ہے اور کوئی شورش عندلیب برپا کرنے والا نظر نہیں آتا اور اگر کہیں سے کوئی آواز اٹھانے کی کوشش بھی کرتا ہے تو فوراً ہی اس کو تھپک تھپک کر سلانے کی کوشش کی جاتی ہے ورنہ اس کی آواز کو ایسا دبا دیا جاتا ہے کہ اس کی صدا نقار خانہ میں طوطی کی آواز بن کر رہ جاتی ہے۔

آنکھوں میں دھول جھونکنے کی مثال آج ہر جگہ صادق آرہی ہے جس کتاب کو ساری انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے اتارا گیا تھا تا کہ ہر طرح کا کیچڑ صاف ہو اور دنیا کے سامنے نکھرا ہوا ایک ایسا نظام زندگی آجائے جس میں ہر حق والے کو اس کا حق دیا گیا ہو، آج اس کے بارے میں ایسے مفروضہ تصورات لوگوں کے سامنے پیش کیے جارہے ہیں جس میں دور دور تک سچائی کا شائبہ بھی نہیں ہوتا، درحقیقت یہ وہ منفی عمل ہے جس کا نتیجہ بھی منفی ہے اس کے علاوہ اگر دنیا کے مثبت کاموں کا جائزہ لیا جائے تو کہیں بھی اس کا نتیجہ مثبت نظر نہیں آتا اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ سب مثبت کام بھی ایک خاص منفی ذہنیت کو سامنے رکھ کر کیے جاتے ہیں ان میں کہیں بھی انسانیت کی بہی خواہی نہیں ہوتی بلکہ وہ ساری کوششیں خالص اپنے مفادات کو سامنے رکھ کر کی جاتی ہیں، البتہ وہ مفادات کبھی خالص ذاتی قسم کے ہوتے ہیں اور کبھی اجتماعی اور ملکی مفادات ہوتے ہیں ان سب سے بلند ہو کر انسانی سطح پر سوچنے کا تصور صرف قرآنی تصور ہے کہیں کسی ازم میں یہ حقیقی تصور نہیں ملتا بلکہ انسانیت کے نام پر بھی جو کچھ ہوتا ہے، اس کے پیچھے بھی وہ مقاصد ہوتے ہیں جن کا انسانیت سے دور دور کا واسطہ نہیں ہوتا۔

یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک انسان جب دوسرے انسانوں کا خیال کرتا ہے یا اس کے کام آتا ہے، تو آخر اس میں کون سا منفی پہلو ہے بلکہ یہ سب کام خالص مثبت انداز کے معلوم ہوتے ہیں جس کا نتیجہ بھی بظاہر مثبت ہے یہ خیال اپنی جگہ درست ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو ساری حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ آج دنیا میں اس طرح کے جو بھی کام نظر آرہے ہیں ان سب کے پیچھے زبردست اغراض ومقاصد ہوتے ہیں اور اس کی مثال یہ ہے کہ یہی مدد کرنے والے وہ ہیں کہ جب ان کو موقع ہاتھ آتا ہے تو قوموں کی قومیں نگل جاتے ہیں بلکہ اکثر دیکھنے میں یہ آرہا ہے کہ یہی زخم دیتے ہیں اور پھر یہی اس پر مرہم رکھ کر داد تحسین وصول کرنا چاہتے ہیں ساری دنیا میں اس وقت یہی نظام جاری ہے خالص انسانیت کا درد نہ اس وقت کسی مذہب میں ہے اور نہ کسی تہذیب میں شاید اس کی بڑی وجہ امریکہ کا وہ نقطۂ نظر ہے جس میں کسی کی ہمدردی کا کوئی تصور نہیں ہے اور بات اتنی عام ہے کہ ہم کو یاد ہے کہ ہم سب ساتھی ہوٹل میں چائے پیتے تھے اور سب کو اپنا اپنا بل دینا ہوتا تھا تو یہی جملہ استعمال ہوتا تھا کہ بھائی امریکن سسٹم چلے گا مطلب اس کا یہی ہوتا تھا کہ کسی کو کسی دوسرے کی فکر کی ضرورت نہیں بلکہ سب اپنی اپنی فکر کریں یہ طرز عمل کبھی ضرورت کی وجہ سے اختیار کیا جاسکتا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن اگر یہی طرز فکر بن جائے تو انسانیت کا بھرم قائم رہنا مشکل ہو جائے گا۔

ہر قسم کے مفادات سے اوپر ہو کر سوچنے کا تصور بھی ختم ہوتا جارہا ہے، اس قسم کی بات اگر لوگوں کے سامنے آتی ہے تو وہ حیرت کے ساتھ پھٹی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ کیا اکیسویں صدی کا انسان اس طرح بھی سوچ سکتا ہے، اس موضوع پر اگر تجزیاتی مطالعہ کیا جائے تو

ہر سطح پر اس کی مثالیں دی جاسکتی ہیں، انفرادی بھی، اجتماعی بھی، جماعتوں کے پیمانہ پر بھی اور حکومتی پیمانہ پر بھی، بلکہ اقوام متحدہ (United Nations) کی سطح پر بھی غور کیا جائے تو یہی حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس کے بھی مثبت کاموں کے پیچھے وہ منفی عوامل ومحرکات ہیں جو گاہے گاہے سامنے آتے رہتے ہیں، اس کی تفصیل میں نہ جاکر قرآن مجید نے جو خالص نظام حیات پیش کیا ہے اس کا کچھ جائزہ اس مضمون کا موضوع ہے۔

قرآن مجید کا اصل موضوع توحید ہے ایک اللہ پر سچا یقین اور اس کی صفات مطلقہ پر ایمان اس کی اصل دعوت ہے یہ وہ زبردست مثبت دعوت ہے جس کے لیے ہر الٰہ کی نفی کی گئی ہے گویا کہ ہر نفی کا بنیادی مقصد اس الٰہ واحد کا اثبات ہے جس کے ساتھ کوئی شریک نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں یہی کلمہ لاالٰہ الا اللہ کا محور ہے کہ ذات میں بھی وہ تنہا ہے صفات میں بھی وہ تنہا ہے اور عبادت کی ساری شکلیں صرف اور صرف اس کے لیے ہیں اسلام کے اس عقیدے توحید کے سامنے دنیا کے تمام مذاہب میں عقائد کی جتنی شکلیں ہیں، ان میں ہر اثبات کے ساتھ نفی ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ہر اثبات کا نتیجہ نفی میں ظاہر ہوتا ہے تو غلط نہیں اس لیے کہ جب اللہ کے ساتھ کسی کو بھی ذات میں یا صفات میں شریک کیا جائے گا اور اس کا اثبات عقیدۃً یا عملاً ہوگا تو اس کے نتیجہ میں توحید کے اندر نفی پیدا ہوگی اور عقیدہ توحید اس کے اعتبار سے متاثر ہوگا بائبل میں جب خدا کی تعریف وتوصیف کی جاتی ہے تو اس میں سارا زور منفی پہلو پر ہے جبکہ قرآن مجید میں اس کے اثبات کے لیے جو نفی ملتی ہے وہ صرف ایک جملہ میں ہے کہ "لیس کمثلہ شئی" جب کہ اثبات صفات کا تذکرہ جگہ جگہ ملتا ہے، مثال کے طور پر سورہ حشر کی وہ آیتیں کافی ہیں جس میں اس کی صفات کا ایسے اسلوب میں ذکر ملتا ہے کہ لگتا ہے کہ منہ میں شکر گھل رہی ہو، اسی طرح اگر عقیدۂ رسالت پر غور کیا جائے تو ختم نبوت کا عقیدہ جس میں انحضور ﷺ کے بعد کسی بھی نبی کی نفی کی گئی ہے اور آپ ﷺ کو آخری نبی قرار دے دیا گیا ہے اس سے رسالت کبریٰ اور ختم نبوت کا زبردست اثبات ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں انسانوں کا ذہن اس طرف سے فارغ ہوکر پوری طرح ایک ہی نبی کے لیے یکسو ہوجاتا ہے اور اس کو بار بار انتظار اور انتشار کے اس مرحلہ سے نہیں گذرنا پڑتا ہے جس سے گذشتہ قومیں گذر چکیں ہیں۔

عقیدہ آخرت کا استحضار بھی در حقیقت ایک ایسی مثبت ذہنیت کو تیار کرنا ہے جو ہر طرح کے مفادات سے بالاتر ہوکر خالص اللہ کے لیے عمل پر آمادہ کرتی ہے اس میں بھی اگر ظاہر طور پر کوئی منفی عمل سامنے آتا ہے تو حقیقت میں تو اس کا زبردست مثبت پہلو پیش نظر ہوتا ہے، مثال کے طور پر اگر کسی نامناسب عمل سے کسی کو روکا جاتا ہے تو صرف اس شخص کی فلاح وبہبود کے لیے اور معاشرہ کو صحیح رخ پر لانے کے لیے جو غلط رخ پر پڑ گیا ہو، ان عقائد کے علاوہ اسلام کا نظام اخلاق اگر دیکھا جائے تو اس کے سب تار وپود اور تانے بانے اسی مثبت بنیاد کو لیے ہوئے نظر آتے ہیں جس پر اسلام کی عمارت قائم ہے۔

عبادات کی تفصیلات تو ہیں ہی اللہ سے تعلق پیدا کرنے کے لیے اور انسانوں کے مقصد حیات کو پورا کرنے کے لیے اس کے علاوہ جن منکرات پر روک لگائی گئی ہے اور جن معروفات کا حکم دیا گیا ہے وہ سب بھی دنیا کو مثبت سمت کی طرف لے جانے کا ایک ایسا مضبوط قدم ہے کہ اگر دنیا اس کو اختیار کرلے تو انسانیت کا یہ باغ دوبارہ لہلہانے لگے اور خزاں کے بعد باد نسیم کے وہ جھونکے چلنے لگیں جو مشام جان کو معطر کردینے کے لیے کافی ہیں، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ پوری دنیا میں اس عظیم کتاب کی ناقدری کی جارہی ہے اور ناقدری سکھائی جارہی ہے نائن الیون کے واقعہ کو مسلمانوں کی طرف منسوب کیا گیا اور کہا گیا یہ سب کچھ مسلمان اسی کتاب کے سکھانے سے کرتے ہیں لیکن جب اس سے متاثر ہوکر لوگوں نے حقیقت کی تلاش شروع کی اور قرآن مجید کا مطالعہ شروع کیا تو لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں اور ہزاروں ہزار لوگ حلقہ بگوش قرآن ہوگئے۔

اب بھی اگر آنکھیں کھول کر حقیقت تلاش کی جائے تو یہ کتاب ہدایت تمام انسانوں کو صحیح راستہ پر لانے کے لیے کافی ہے اور اس میں انسان کو انسانیت سکھائی گئی ہے جو اس کے لیے تمغۂ امتیاز ہے کہ وہ پیدا کرنے والے کے سامنے بندہ بن کر رہے اور بندوں کا خیر خواہ بن کر جیے۔

امن عالم کا قیام اور امریکہ

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی

افغانستان میں امریکہ کی فوجی کاروائی کے وقت یہ موضوع خوب گرم تھا کہ اس کاروائی کا اقدام امریکہ کی عالمی قوت وطاقت کے ٹوٹنے کا نقطۂ آغاز ہے۔ امریکہ سے قبل برطانیہ بھی اس شکست سے دوچار ہوچکا ہے، اور یہیں اس کی سامراجیت کا طلسم ٹوٹ چکا ہے۔ برطانیہ کے بعد روس کو بھی اس سرزمین پر ہزیمت کی مار جھیلنی پڑی، جبکہ اس وقت روس ایک مضبوط عالمی طاقت تسلیم کیا جاتا تھا لیکن پھر بھی افغانستان میں اپنی بقاء کی انتھک کوششوں کے باوجود وہاں سے نکلنے پر مجبور ہونا پڑا، اور یہیں اس کی عالمی طاقت کے ٹوٹنے کی ابتداء ہوئی، چنانچہ اس زبردست شکست کے بعد اس کا ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ گیا، اور اس کا شیرازہ منتشر ہوکر رہ گیا، اور افغانستان کے خلاف اس کی یہ جنگ خود اس کی ہلاکت کا باعث بن گئی۔

آج امریکہ خود کو سپر پاور سمجھتا ہے اور دنیا سے یہ تسلیم بھی کروانا چاہتا ہے، ''گلوب لائزیشن'' یا ''جدید عالمی نظام'' اس کی گرفت میں ہے، ''قیام امن عالم'' کے نام پر وہ کئی مخالف ممالک کو تاراج بھی کرچکا ہے، نائن الیون کے عظیم حادثہ سے پہلے تک اس کو اس کی اپنی عسکری طاقت پر ناز بھی تھا، خود امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کا دعویٰ تھا کہ بیک وقت سات ملکوں میں جنگی محاذ کھول دینے کی اس کے پاس پوری طاقت وصلاحیت ہے، چنانچہ امریکی افواج افغانستان میں داخل ہوئیں، برطانیہ اور روس نے اس وقت یہ رائے ظاہر کی تھی کہ جنگ افغان کی ایک عظیم و مستحکم تاریخ ہے اور دونوں کو اس کا تجربہ بھی ہے۔ لیکن امریکی صدر بش پر اس وقت ایک جنونی کیفیت طاری تھی، اور اپنی طاقت وقوت پر اسے غرور بھی تھا، اور اپنے مخالف کی بے حیثیتی اور اس کی کمزوری اور اس کے مقابل اپنی شوکت پر حد زیادہ اعتماد بھی تھا، چنانچہ اس نے اپنے مخالفین کی اینٹ سے اینٹ بجادینے اور مختصر سی مدت میں تاریخی فتح حاصل کرنے کا دعوی بھی کیا۔ لیکن افغانستان نے جس طرح اس سے قبل دو عالمی طاقت کا مقابلہ کیا تھا اسی طرح اس تیسری طاقت کے سامنے بھی وہ مضبوطی سے جمارہا، اور امریکہ کو ناکوں چنے چبانے پر مجبور کردیا۔

جنگ افغانستان کی ابتداء ہی میں امریکہ نے عراق میں ایک دوسرا جنگی محاذ بھی کھول دیا، عراق کے اندر تک اس کی افواج گھس گئیں، اور اس کے ملکی نظام کو برباد کردیا، روس جو عراق کا حلیف اور ہم معاہدہ تھا، اس فوجی جنگی محاذ کے مقابلہ پر نہیں آسکا، نتیجہ یہ ہوا کہ امریکہ نے عراق کو زیر وزبر کردیا، وہاں کا سارا نظام تباہ ہوگیا، اور پورا ملک تاراج ہوگیا، اور پھر عراق کے ملکی نظام کی بحالی میں امریکہ کی صلاحیت کا فقدان نمایاں ہوگیا، اور آج بھی عراق اس فوجی کاروائی کی وجہ سے تلخ گھونٹ پینے پر مجبور ہے۔

عرب انقلاب کے زمانہ میں لیبیا میں (جہاں اشتراکی نظام قائم ہے) امریکی قیادت ورہبری میں واحد عالمی طاقت ''ناٹو'' نے مداخلت کی، جس کے بعد روس اپنی حمایت بند کردی اور وہ خاموش تماشائی بن گیا، لیبیا کا سیاسی نظام درہم برہم ہوگیا، بڑی تعداد میں ہلاکتیں ہوئیں، ابھی تک ملک میں امن کی بحالی کی راہ ہموار نہیں ہوسکی۔

انقلابات کی لہر نے شام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، امریکہ اور اس کے حلیف نے اس کی تائید وحمایت کی ہے، لیکن شام کی موجودہ صورت حال بہت ہی تشویشناک ہے، امریکی پالیسی کی کمزوری اور عاجزی بالکل نمایاں ہوچکی ہے، پورا اقتصادی نظام ٹھپ پڑچکا ہے، اور اس کے تمام حلیف کمزور پڑ چکے ہیں، پورا ملک خانہ جنگی کی لپیٹ میں ہے۔

یہی حال مصر کا ہے جہاں فوجی نظام نے پورے طور پر اپنا پنجہ جمالیا ہے، اور الیکشن وانتخابات کے نتائج بے فائدہ ہوگئے، اور اس کاروائی کا روس زبردست حامی ہے، اور اس طرح اب بھی مصر میں ایک کشمکش اور تصادم جاری ہے۔

یہاں سے یہ بات مترشح ہے کہ امریکہ بے چارگی وکمزوری کا شکار ہے، جیسا کہ سیاسی مبصرین جنگ افغانستان کے آغاز سے ہی ایسی بات کہہ رہے تھے۔ اسی وجہ سے امریکہ پر اعتبار کرنے والا ہر شخص امریکہ کے تئیں اس کے سیاسی نظام میں دوبارہ غور کرتا ہے، اور یہی رائے ظاہر کرتا ہے، امریکہ کی پالیسی سپر پاور کی حیثیت سے زوال وانحطاط کی طرف ہے، اور اس سے پہلے امریکہ روس کی پالیسی کے واسطہ کوریا کے تئیں اپنے کردار اور پالیسی میں ذلت ورسوائی کا سامنا کرچکا ہے، ....

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

نسخہ
معاشرہ کی اصلاح کا

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

بات اگر اسلام کی کی جائے تو پورے یقین کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اسلام نے جس طرح انفرادی زندگی کے رہنما اصول متعین کیے اسی طرح انسان کی اجتماعی زندگی کو مثالی بنانے کے لیے احادیث کی شکل میں واضح ہدایات اور روشن تعلیمات بھی ہمارے سامنے رکھ دیں، حیرت ہوتی ہے۔ کسی اور پر نہیں اپنے اوپر۔ کہ ان واضح ہدایات اور ان روشن تعلیمات کا اتنا بڑا ذخیرہ رکھتے ہوئے بھی ہم اپنے معاشرہ کے بگاڑ کا رونا روتے رہتے ہیں۔

آپ کی بات تسلیم کہ صرف رونا نہیں روتے، کوششیں بھی کرتے ہیں، تدبیریں بھی اختیار کرتے ہیں، خرچ کرنے والے اس راہ میں فراخدلی کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں، بولنے والے اس موضوع پر تقریر پر تقریر، اور لکھنے والے اس عنوان پر مضمون پر مضمون لکھتے ہیں، لیکن کیا کیا جائے کہ نتیجہ ان کوششوں کا اس طرح سامنے نہیں آتا جس سطح پر کوششیں اس راہ میں کی جاتی ہیں، تو اب اس میں ہمارا کیا قصور؟

چھوڑیئے بات قصور کی، آپ یہ بتایئے کہ طبیب اچھے سے اچھا نسخہ لکھ دے، عطار اچھی سے اچھی دوا بنادے، نسخہ ہماری جیب میں سوتے میں بھی رہے، جگتے میں بھی رہے، تصور میں سفوف ہم پھانکتے بھی رہیں اور دوا کا شربت دن رات آنکھوں سے اپنی پیتے بھی رہیں تو کیا بیماری ہماری دور ہوجائے گی؟ مرض سے کیا ہم کو افاقہ ہوجائے گا؟

چلیے، حکیم حاذق کا تجویز کردہ اور کسی پرانے عطار کا تیار کردہ یہ نسخہ سوتے میں نہیں جگتے میں، تصور میں نہیں حقیقت میں، آنکھوں سے نہیں منھ سے، ہم اپنے نہیں دوسروں کے پیٹ میں پہونچاتے رہیں تو کیا اس طرح ہمارا مرض دور ہوجائے گا؟ اور کیا یہ نسخہ ہمارے لیے کارگر ثابت ہوگا؟

نسخہ تو ہم رکھتے ہیں لیکن استعمال اس کا دوسروں پر کرتے ہیں، سلام کرے تو دوسرا، رحم کرے تو دوسرا، عیادت کرے تو دوسرا، معاف کرے تو دوسرا، خدمت کرے تو دوسرا، غصہ نہ کرے تو دوسرا، خیال کرے تو دوسرا، خوش اخلاقی سے پیش آئے تو دوسرا، مسکرا کر ملے تو دوسرا، راز کو راز رکھے تو دوسرا، مہمان نوازی کرے تو دوسرا، مشورہ کرے تو دوسرا، پڑوسی کا حق ادا کرے تو دوسرا، رشتہ جوڑے تو دوسرا، راستے میں کوڑا نہ ڈالے تو دوسرا، کسی کو تکلیف نہ دے تو دوسرا، اپنے حق سے دستبردار ہو تو دوسرا، دوسرا–دوسرا–دوسرا–تو کیا معاشرہ دوسروں سے بنتا ہے؟ کیا خدا کی اس سرزمین پر صرف دوسرے بستے ہیں؟ کیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت صرف دوسروں کے لیے ہوئی؟ کیا اسلامی اخلاق وآداب کا تعلق صرف دوسروں سے ہے؟؟

افسوس کہ معاشرہ کی اصلاح کا یہ نسخہ جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی شکل میں ہم کو ملا، اس کے استعمال کی دوسروں کو تو ہم نے دعوت دی، اور پورے زور وشور سے دی، لیکن خود ہم اس کا استعمال نہ کرسکے، اگر ہم نے اس نسخہ کو اپنے اوپر آزمالیا ہوتا تو آج ہمیں ضرورت نہ پڑتی جلسوں کے انعقاد کی، کتابوں کی اشاعت کی، لٹریچر کی تقسیم کی، معاشرہ کے اصلاح کے لیے لوگوں کے دوروں کی، آج سے چودہ سو سال پہلے بھی کیا اسی طرح کے جلسہ ہوتے تھے؟ کتابوں کی اشاعت کے کیا یہی سب انتظامات تھے؟ مقررین کے لانے اور لے جانے کے آج کل کے یہ سب ذرائع میسر تھے؟ جی نہیں! اس وقت یہ سب کچھ نہ تھا، اور اگر کچھ تھا تو صرف عمل تھا، اور اسی عمل کی بدولت اس وقت کا پورا معاشرہ اسلامی رنگ میں رنگا ہوا تھا، عقائد اسلامی، عبادات اسلامی، معاملات اسلامی، اخلاق اسلامی، رہن سہن اسلامی، گفتگو کے آداب اسلامی، ملنے جلنے کے طور طریق اسلامی، اس وقت کا اسلام زندہ اور متحرک تھا، چلتا پھرتا تھا، مسلمان کے ساتھ آتا جاتا تھا، خود قرآن کریم اس بات کا گواہ ہے، ارشاد ہے ﴿وجعلنا له نورا يمشي به في الناس﴾ اور ہم نے اس کو (مسلمان) ایک روشنی (اسلام) مہیا کردی جس کو لیکر وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے۔

یہ آیت صاف اعلان کرتی ہے کہ اسلام کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان صرف عقائد وعبادات کو لے کر سب سے الگ تھلگ ہو کر کسی کونے میں جا کر بیٹھ جائے، بلکہ اسلام کا مسلمان سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ عام انسانوں کے درمیان رہے، ان سے معاملات کرے، ان کے حقوق ادا کرے، اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کرے، جہاں بھی

جائے اپنے اسلامی کردار کے ساتھ، اسلامی امتیاز کے ساتھ، اسلامی آداب کے ساتھ، اور اسلامی تعلیمات کے ساتھ جائے، جہاں رہے مسلمان بن کر رہے اور جو کام کرے مسلمان بن کر کرے۔

یقیناً وہ کسی کا پڑوسی ہوگا، کسی کا رشتہ دار ہوگا، کسی کا بیٹا ہوگا، کسی کا باپ ہوگا، کسی کا شوہر ہوگا، کسی کا بھائی ہوگا، کبھی وہ کسی پر ناراض ہوگا، کبھی اس کو کسی پر غصہ آئے گا، کبھی اس کا کسی سے جھگڑا ہوگا، کبھی اس کی کسی سے صلح ہوگی، کبھی اس کا سابقہ چھوٹوں سے پڑے گا، کبھی اس کو معاملہ بڑوں سے پیش آئے گا، کبھی اس کو کسی سے محبت ہوگی تو کبھی اس کو کسی سے نفرت ہوگی، کبھی اس کا دل کسی کی طرف مائل ہوگا تو کبھی اس کا دل کسی سے بیزار ہوگا، کبھی وہ دوکان پر خریدتا ہوا نظر آئے گا تو کبھی وہ دوکان میں کچھ بیچتا ہوا دکھائی دے گا، اس کو سڑک پر چلنا بھی ہے، گھروں کے سامنے سے گذرنا بھی ہے، گھر کا کوڑا بھی پھینکنا ہے، سواری کو اپنی سڑک پر کھڑا بھی کرنا ہے، دوسروں کے ہاں جانا بھی ہے، اور ان کو اپنے یہاں بلانا بھی ہے، اسلام کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ سارے معاملات، یہ سارے رشتے، یہ سارے تعلقات، اور زندگی کے یہ سارے مسائل اسلامی قانون کے تحت انجام پائیں۔

اسلام کے چار ارکان ہیں، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، ہم ان کو عبادات ہی کے طور پر جانتے ہیں، اور عبادات کے ہی طور پر ان کا تذکرہ کرتے ہیں، لیکن یہ نہیں غور کرتے کہ ان عبادات کا مقصد کیا ہے؟ دیکھئے قرآن کریم نماز کے بارے میں کیا کہتا ہے، ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ﴾ (العنکبوت، ۴۵) نماز پڑھیئے بیشک نماز بے حیائی اور غلط کاموں سے روکتی ہے۔

روزہ کے بارے میں کیا کہتا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (سورہ البقرۃ، ۱۸۳) اے ایمان والو تم پر روزے فرض کردیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کردیے گئے تھے تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔

زکوٰۃ کے بارے میں کیا کہتا ہے ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا﴾ اے پیغمبر آپ ان کے اموال میں سے صدقہ وصول کریں جس کے ذریعہ آپ ان کو گناہوں سے اور برے اخلاق سے پاک کریں۔

حج کے بارے میں کیا کہتا ہے ﴿الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ حج کے چند متعین مہینے ہیں چنانچہ جو شخص ان مہینوں میں حج لازم کرلے تو حج کے دوران نہ وہ کوئی فحش بات کرے نہ کوئی گناہ کرے اور نہ کسی سے جھگڑا۔

نماز بری باتوں اور برے کاموں سے روکتی ہے، زکوٰۃ امیر غریب کو الفت ومحبت کی ڈوری میں باندھتی ہے، روزہ کے سلسلہ میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہی ہے کہ روزہ نام ہے بیہودگی اور فحش گوئی سے بچنے کا، اور حج کے ایام تو ایام ہی تربیت کے ہیں جھگڑے سے بچنے اور غلط کاموں سے دور رہنے کے۔

نماز کے سلسلہ میں تو حدیث قدسی میں یہاں تک آیا ہے:

ارشاد باری ہے! میں نماز اسی کی قبول کروں گا جس کے اندر نماز کے ذریعہ تواضع پیدا ہوگی، اور جو میری مخلوق پر دست درازی نہ کرے گا، جو میری نافرمانی کے ساتھ رات نہیں گذارے گا، جو دن میرے ذکر کے ساتھ بسر کرے گا، جو غریب، مسافر، بیوہ اور زخمی کے ساتھ رحم دلی کا معاملہ کرے گا۔ (مسند البزار)

روزہ، نماز، زکوٰۃ، حج کی ان حکمتوں سے اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں کتنی اہمیت ہے اخلاق کو سنوارنے اور معاشرہ کو مثالی بنانے کی۔

اب ذرا سوچئے کہ اگر ان عبادتوں کا اثر ہمارے سماج پر نہیں پڑ رہا ہے، ہماری اخلاقی حالت ان عبادتوں کو ادا کرنے کے باوجود بہتر نہیں ہو رہی، ہماری سوچ، ہمارے مزاج، ہمارے طرز عمل، ہمارا رہن سہن میں اسلام کی کوئی چھاپ نظر نہیں آرہی ہے، تو کہنے والا ہمارے متعلق بھی وہی بات کہہ سکتا ہے جو مندر میں ایک گھنٹہ بجانے والے کے سلسلہ میں اس نے کی تھی کہ صبح سے شام تک نہ جانے کتنی بار یہ گھنٹہ بجتا ہے لیکن سماج پر اس گھنٹہ کا کوئی اثر نہیں پڑتا، گھنٹہ کا اثر اگر سماج پر نہیں پڑتا تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیوں کہ گھنٹہ بجانے کا مقصد سماج میں تبدیلی لانا نہیں بلکہ صرف اپنی عقیدت کا اظہار کرنا اور اپنے ہندو ہونے کا اعلان کرنا ہے، لیکن ہماری عبادتوں کا معاملہ گھنٹے سے مختلف ہے، ہماری عبادتوں میں اخلاق کو سنوارنے کی تلقین بھی ہے اور معاشرے کو مثالی بنانے کی دعوت بھی۔

گزشتہ سے پیوستہ

اسلامی عقائد

قرآن وحدیث کی روشنی میں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

توحید الوہیت

اس کو ''توحید عبادت'' بھی کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت اوراس کی تمام قسموں کوصرف اللہ کے لیے ہی خالص کرلیا جائے، مثلاً دعا، نذر، قربانی، خضوع وتذلل تعظیم کے وہ کام جوصرف اللہ کے لیے درست ہیں، مثلاً سجدہ، رکوع وغیرہ، حاصل یہ کہ عبادت کی ساری قسمیں ظاہری ہوں یاباطنی صرف اللہ کے لیے خاص کرلی جائیں، ان میں کسی کو بھی اللہ کے ساتھ شریک نہ کیا جائے، خواہ وہ نبی ہو یافرشتہ، ولی ہو یا شہید، یہی وہ توحید ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی ان آیات میں کیا گیا ہے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ (الفاتحة: ٤)، ﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ (هود: ١٢٣)، ﴿رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيّاً﴾ (مريم: ٦٥)۔

''الٰہ'' کہتے ہیں اس کو جو عبادت کے لائق ہو، مشرکین مکہ چونکہ اللہ کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے تھے، اس لیے انہوں نے متعدد معبود بنالیے تھے، ایک ''الٰہ'' کاان کے یہاں تصور ہی نہیں رہ گیا تھا، اسی لیے جب آنحضور ﷺ نے صرف ایک ہی رب کی عبادت کی دعوت پیش کی توان کو بڑا تعجب ہوا، قرآن مجید نے اس کو یوں نقل کیا ہے: ﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَهاً وَاحِداً إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ (ص: ٥) (انہوں نے اپنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے)۔ اب ان دونوں باتوں کوسمجھنے کی ضرورت ہے، اوپر گذر چکا ہے کہ وہ رب کوایک مانتے تھے، اوراسی کو اصلاً خالق ومالک سمجھتے تھے، لیکن عبادت میں دوسروں کو بھی شریک کرتے تھے، اور تعدد الٰہ کے قائل تھے، عبادت میں شرک کی وجہ سے ان کومشرک گردانا گیا، اورآنحضرت ﷺ نے ان کو توحید عبادت وتوحید الوہیت کی دعوت دی، اور فرمایا: ''قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا'' (مان لوکہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں کامیاب ہوجاؤ گے)۔ معبود کہتے ہی اس کو ہیں جس کی عبادت کی جائے، قرآن مجید میں جابجاشرک کی اسی قسم کی بیخ کنی کی گئی ہے: ﴿وَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾ (البقرة: ١٦٣)، ﴿وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهاً آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ﴾ (المومنون: ١١٧)۔

مشرکینِ عرب اللہ تعالیٰ کے وجود کو مانتے تھے، زمین وآسمان کا مالک وخالق اسی کوگردانتے تھے، مشکل کے وقت میں اسی کو پکارتے تھے، اس کواپنا رب سمجھتے تھے، مگراس کے باوجودان کواللہ تعالیٰ نے مشرک قراردیا، اور آنحضرت ﷺ نے زندگی بھر ان سے جنگ جاری رکھی، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اللہ کوخالق ومالک ماننے کے باوجود درمیانی واسطوں کے اس طور پر قائل تھے کہ ان کی اور نذر ونیاز کرنے اور وہ اعمال جودرحقیقت اعمال عبادت ہیں، ان اعمال میں وہ درمیانی واسطوں کوشریک کرلیا کرتے تھے، ان کواس شرک سے روکا گیا ہے اور صاف صاف دعوت توحید دی گئی: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّينَ﴾ (الزمر: ٢) (ہم نے ٹھیک ٹھیک کتاب آپ پر اتاری ہے دین کو اسی کے لیے خالص کرکے اس کی عبادت کرتے رہیے)۔ انہوں نے اس کا جو جواب دیا اس کو قرآن مجید نے نقل کیا ہے: ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ (الزمر: ٣) (ہم توان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ ہم کو خدا سے قریب کردیں)، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ فرمایا، ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ﴾ (یوسف: ١٠٦) (ان میں اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر اس طرح کہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں)، مشرکین عرب اعمال عبادت میں غیروں کوشریک کرتے تھے اور کہتے تھے کہ شرک نہیں ہے، یہ شرک اس صورت میں ہوگا جب ہم غیروں کو خالق ومالک بھی سمجھیں، مندرجہ بالا آیات میں اس کی پُرزور تردید کی گئی ہے اوراس کو عین شرک قرار دیا گیا ہے، آگے اعمالِ عبادت کوقدرے وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔ (جاری)

قرآن کریم

اور انسانی تربیت کے بنیادی اصول

عبدالسبحان ناخداندوی

اللہ رب العزت نے اپنا کلام انسانوں کے لیے اتارا، تاکہ انسان اس سے تربیت پاکر ہدایت یافتہ بنے اور سیدھے راستے پر رہ کر منزل مقصود تک پہنچ جائے۔

﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ﴾ (النساء:۱۰۵) ہم نے آپ پر یہ کتاب انسانوں کے لیے پوری سچائی کے ساتھ اتاری ہے جو صحیح راستہ پر آئے گا اپنے فائدے کے لیے آئے گا، اور جو راستہ بھٹک جائے گا اس کا نقصان بھی اسے اٹھانا پڑے گا۔

دنیا کے تمام علوم انسانوں کے وجود کے مقصد کو بتانے سے عاجز ہیں اس لیے انسانی تربیت کی بنیادیں فراہم کرنا بھی ان کے بس سے باہر ہے جب انسان کے اپنے مقصد کو کوئی بتا نہیں سکتا تو پھر تربیت واخلاق کی بنیادیں کہاں سے فراہم کی جاسکتی ہیں، یہ اللہ کی کتاب اور آسمانی تعلیمات ہیں جو انسان کو اس کے اصلی مقصد سے آگاہ کر کے تربیت کی بنیادیں فراہم کرتی ہیں جس کے نتیجہ میں ایسے انسان ڈھلتے ہیں جو اپنی ذات سے لے کر پورے انسانی سماج کے لیے سراسر خیر و برکت بنتے ہیں جن کا وجود پورے سماج کے لیے بلکہ پوری انسانیت کے لیے کامیابی کی ضمانت ہے، اس تربیت سے آراستہ ہونے کے لیے اللہ کے کلام نے کچھ بنیادیں بتائی ہیں جن کے ذریعہ آدمی صحیح انسان بن سکتا ہے۔

عقیدۂ آخرت

یہ تربیت انسان کی سب سے بڑی بنیاد ہے، انسان اگر اس کا پختہ عقیدہ رکھے کہ ایک دن اسے اللہ کے دربار میں حاضر ہوکر اپنے تمام کاموں کا حساب دینا ہے تو پھر فساد کی جڑ ہی کٹ جائے، ایسے انسان کی پھر خارجی دباؤ کی زیادہ ضرورت نہیں رہتی، عقیدہ آخرت کے نتیجہ میں خوف خدا پیدا ہوتا ہے اور یہیں سے جواب دہی کا احساس ابھرتا ہے، اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں جا بجا اس عقیدہ کا ذکر کر کے انسانوں کو اپنی صحیح تعمیر کرنے کا حکم دیا ہے اور انسان کی بنیادی کمزوری یہ بتائی ہے کہ وہ خوف خدا سے آزاد ہو کر انسان نما حیوان بنتا ہے، اور لوگوں کا خون چوستا ہے، ناپ تول میں کمی کو عنوان بنا کر انسانی صحیح حقوق کو پامال کرنے والوں کو اللہ نے کچھ یوں جھنجھوڑا ہے، ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ☆الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ☆وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ☆أَلَا يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ☆لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ☆يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (تطفیف:۱-۶) (ناپ تول میں ڈنڈی مارنے والوں کے لیے بربادی ہے، جو اگر اپنے لیے لوگوں سے کچھ ناپتے ہیں تو پورا پورا وصولتے ہیں اور جب دوسروں کو ناپ کر یا وزن کر کے دیتے ہیں تو حق مارتے ہیں، کیا ان کو اس کا خیال نہیں آتا کہ ایک زبردست دن کے لیے ان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، جس دن وہ سب تمام جہانوں کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے)۔

اسی دن کو کو یاد رکھ کر تمام برائیوں سے دور رہنے کی تاکید ہے، ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ (البقرة:۲۸۱) (ڈرو اس دن سے جب تمہیں اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا، پھر انسان کو اپنے کیے کا بھرپور بدلہ دیا جائے گا اور ان کے ساتھ کمی نہیں کی جائے گی)، قرآن کریم میں کوئی غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ سورہ فاتحہ سے لے کر سورہ ناس تک ہر ورق در ورق پر عقیدہ آخرت کا صراحتاً یا اشارةً ضرور ذکر ملے گا، یہود سے کہا گیا ﴿قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (الجمعة:۸) (کہئے جس موت سے تم بھاگے بھاگے پھرتے ہو، وہ تمہیں ضرور آلے گی پھر تمہیں اس ہستی کے پاس لوٹایا جائے گا جو حاضر غائب سب کو جانتا ہے تو وہ تمہیں بتلائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

نصاریٰ سے کہا گیا

﴿وَإِن لَّمْ يَنتَهُواْ عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُواْ مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ☆أَفَلاَ يَتُوبُونَ إِلَى اللّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (المائدۃ:۳۔۷۳-۷۴) (اگر یہ اپنی بکواس سے باز نہیں آئے تو ان میں سے کافروں کو دردناک عذاب آئے گا تو کیا وہ اللہ کی طرف رجوع نہیں کریں گے اور اس سے مغفرت نہیں چاہیں گے اللہ تو بہت معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے)۔

مشرکین سے کہا گیا

﴿أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ﴾ (ق:۱۵) (کیا ہم پہلی دفعہ پیدا کرکے ہٹ گئے، بلکہ یہ لوگ ازسرنو پیدا کرنے سے متعلق مخمصے میں پڑے ہوئے ہیں)

منافقین کے بارے میں کہا گیا

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيراً☆إِلاَّ الَّذِينَ تَابُواْ وَأَصْلَحُواْ وَاعْتَصَمُواْ بِاللّهِ وَأَخْلَصُواْ دِينَهُمْ لِلّهِ فَأُوْلَـئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (النساء:۱۴۵-۱۴۶) (منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے ان کے لیے تم کسی مددگار کو نہیں دیکھو گے، ہاں جن لوگوں نے توبہ کی اور اپنی حالت سدھاری اور اللہ سے وابستہ ہوئے اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کردیا تو ایسے لوگ اہل ایمان کے ساتھ ہوں گے)۔

اہل ایمان سے کہا گیا

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَنفِقُواْ مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لاَّ بَيْعٌ فِيهِ وَلاَ خُلَّةٌ وَلاَ شَفَاعَةٌ﴾ (البقرۃ:۲۵۴) (اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو، جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی نہ دوستی چلے گی اور نہ سفارش ہوگی)

کل انسانوں سے کہا گیا: ﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ

اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ﴾ (الحج:۱) (اے لوگوں اپنے پروردگار سے ڈرو بے شک قیامت کا زلزلہ غیر معمولی چیز ہے)

یہ آیات ایک نمونہ ہیں ورنہ قرآن کریم میں سینکڑوں ایسی آیتیں ہیں جن میں اللہ تعالی عقیدہ آخرت کو ہدایت وتربیت کی ایک بنیاد کے طور پر بیان فرما کر کل انسانوں کو اپنی درستگی کا حکم دیا ہے، سچی بات یہ ہے کہ انسانوں کے لیے اس سے بڑھ کر موثر بنیاد نہیں ہوسکتی۔

دوسری بہت بڑی بنیاد وحدت انسانی ہے، عام طور پر طبقہ واریت کی وجہ سے انسان انسان سے کٹتا اور ایک دوسرے کی گردن کاٹتا ہے انسان جتنے خانوں میں اپنے آپ کو بانٹتا جائے گا اتنا ہی وہ دوسروں سے لاتعلق ہوتا جائے گا، پھر یہی چیز نفرت وعداوت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ وحشیانہ سلوک کرنے پر اسے آمادہ کرتی ہے، وحدت اب تمام تعصبات کی جڑ کاٹتی ہے، اور یہ عقیدہ تمام انسانوں کو ایک لڑی میں پروکر ہر قسم کے امتیازات کو ختم کرتا ہے، اوپر جس عقیدہ آخرت کا ذکر کیا گیا ہے وہ بنیاد بذات خود وحدت رب سے ماخوذ ہے۔

قرآن کریم کا صاف صاف اعلان یہ ہے کہ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳) (اے انسانوں! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کرسکو، حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ خوف خدا رکھتا ہو۔

وحدت رب اور وحدت اب حقیقت میں باہمی اخوت اور بھائی چارے کی بنیاد ہے، وحدت رب سے دینی وایمانی اخوت پیدا ہوتی ہے ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (الحجرات:۱۰) (بے شک تمام اہل ایمان آپس میں بھائی ہیں) کا یہی مطلب ہے، دوسری طرف وحدت اب سے اخوت انسانی وجود میں آتی ہے، آنحضرت ﷺ جب نماز تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو آپ کی دعاؤں میں ایک دعا یا ایک مناجات یہ بھی ہوتی کہ "اللهم انی اشهد ان عبادك كلهم اخوة" (اے اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے تمام بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔

اخوت ایمانی اور اخوت انسانی کیے ذریعہ ہی درحقیقت

حقوق انسانی کی پاسداری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور انسان انسان سے جڑتا ہے اور ایک دوسرے کے کام آتا ہے، اس وسیع دائرے میں لائے بغیر انسانوں کی صحیح تربیت ہو ہی نہیں سکتی اور نہ انسانوں کو انسانوں سے جوڑا جا سکتا ہے، ورنہ خود انسان نے اپنے لیے اس قدر طبقات بنا رکھے ہیں کہ ان میں محدود رہ کر تربیت انسانی کا صحیح تصور ممکن نہیں ہے قرآن کریم نے اخوت ایمانی کے شانہ بشانہ اخوت انسانی کا بھی جا بجا لحاظ رکھا ہے، لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں متعدد مقامات پر ﴿یا ایها الذین آمنوا﴾ کہہ کر اہل ایمان کو مخاطب کیا گیا ہے وہیں ﴿یا ایها الناس﴾ کہہ کر تمام انسانوں سے بھی خطاب کیا گیا ہے گویا تمام انسانوں کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ ہمارے نزدیک حقوق انسانی سے مراد وہ وسیع حقوق ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مرحمت فرمائے ہیں، وہ تنگ سکڑے ہوئے محدود ناقص حقوق نہیں ہیں جو اقوام متحدہ کے چارٹ میں بیان کئے گئے ہیں اسی طرح ہمارے نزدیک حقوق انسانی سے مراد وہ تمام حقوق ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پاکیزہ ضابطوں کے تحت آتے ہیں، وہ مادر پدر آزاد حقوق نہیں جسے دنیا حقوق سمجھتی ہے اور جس کے تحت انسانوں کو سیدھے سیدھے جانور کے مقام تک گرایا جاتا ہے، گویا حقوق انسانی کے نام پر انسان کو حیوانی حقوق دئے جاتے ہیں، پھر اسے پورا حیوان بنا دیا جاتا ہے۔

وحدت انسانیت کی بنیاد پر قرآن کریم جس انسان کی تعمیر کرتا ہے وہ انسانیت کا سچا خیر خواہ ہوتا ہے، اور اس کی نگاہ ہمیشہ حقوق کی ادئیگی پر ہوتی ہے حقوق کے لینے پر نہیں، اس سلسلہ میں قرآن کریم مزید دو بنیادوں پر بہت زور دیتا ہے جن کی خلاف ورزی سے حقوق پر ڈاکے پڑتے ہیں اور فساد کا تعفن پیدا ہوتا ہے۔

ان میں پہلی چیز فخر وتکبر سے دوری اور دوسری چیز بخل وحرص سے دوری ہے، درحقیقت یہ دونوں چیزیں وحدت انسانی سے جڑی ہوئی ہیں، وحدت انسانی کا لازمی نتیجہ فخر وتکبر سے دوری اور حرص وہوس سے اجتناب کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، فخر وتکبر سے ظلم وجود میں آتا ہے، اور حرص ہوا سے بخیلی اور حق تلفی پیدا ہوتی ہے اس لیے اللہ رب العزت قرآن کریم میں جس جگہ حقوق کی پاسداری بلکہ حسن سلوک کی شدید تاکید کی ہے، وہیں ان دو مذموم صفات سے اپنی ناپسندیدگی کا بھی اعلان فرمایا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَاعْبُدُواْ اللّهَ وَلاَ تُشْرِكُواْ بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالاً فَخُوراً☆الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللّهُ مِن فَضْلِهِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَاباً مُّهِيناً﴾ (النساء:۳۶-۳۷) (اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کرو، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا اسی طرح قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ رکھنا اسی طرح قریب کے پڑوسی اجنبی پڑوسی اور اپنے ساتھ والے شخص کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا، راہ گیروں اور اپنے زیر ملکیت غلاموں کے ساتھ بھی احسان کا معاملہ کرنا، اکڑنے والے فخر کرنے والے اللہ کو اچھے نہیں لگتے، جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخیلی کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور اللہ نے ان پر جو کچھ اپنا فضل فرمایا ہے اسے چھپاتے ہیں)۔

فخر سے پیدا ہونے والے ظلم اور بخل کا نتیجہ بننے والی حرص کو رسول اکرم ﷺ نے فساد کی جڑ قرار دیا ہے اور اپنی امت کو اس لعنت سے دور رہنے کا حکم فرمایا ہے، ارشاد رسالت ہے، "اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامة واتقوا الشح فان الشح اهلك من كان قبلكم حملهم ان سفكوا دمائهم واستملوا محارمهم" (ظلم سے بچو، اس لیے کہ ظلم روز قیامت کے اندھیرے ہیں اور حرص وبخل سے بچو اسی حرص وبخل نے تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو تباہ کیا تھا اسی نے لوگوں کو اس پر آمادہ کیا تھا کہ ایک دوسرے کا خون بہائیں اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو اپنے لیے جائز کر لیں)، یہی تکبر ایک دوسرے کو حقیر سمجھنے اور طعنے دینے، عیب لگانے، باہم بدگمانی، پھر غیبت کرنے پھر آ کر میں بہتان لگانے تک پہنچاتا ہے، سورہ حجرات کے دوسرے رکوع میں ان خرابیوں کا تفصیلی ذکر کر کے اس سے سختی کے

ساتھ منع کیا گیا ہے، وجہ اس کی یہی تکبر ہے، جو ہر قسم کے معاشرتی فساد کا دروازہ کھولتا ہے اس لیے قرآن کریم اس حرص سے اپنا دامن صاف رکھنے کو تربیت کی اہم بنیاد قرار دیتا ہے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا۔

احسان شناسی

قرآن کریم کی نگاہ میں انسانی تربیت کی ایک بڑی بنیاد احسان شناسی ہے، اس لیے جس کا احسان جتنا بڑا ہوتا ہے، اس کے حقوق بھی اس نے سب سے زیادہ رکھے ہیں، اللہ ورسول ﷺ کے احسانات تو کیف وکم سے ماورا ہیں ان کو کوئی شمار نہیں کرسکتا، ان کے بعد سب سے بڑا احسان والدین کا ہوتا ہے، وہی درحقیقت اس کے دنیا میں آنے کا سبب بنتے ہیں اوران ہی کے سایہ عاطفت میں وہ پروان چڑھتا ہے، اس لیے ان کا حق سب سے بڑا رکھا گیا ہے، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی آخری درجہ تاکید کی گئی ہے، یہاں تک کہ اگر کسی کے والدین مشرک ہوں اور وہ اپنے بیٹے پر شرک کرنے کے لیے دباؤ ڈالتے ہوں تب بھی اس کا حکم ہے کہ ان کی شرک کرنے والی بات تو مانی نہ جائے، لیکن ان کے ساتھ بدسلوکی کی پھر بھی اجازت نہیں، بلکہ اس حالت میں بھی اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید کی گئی ہے: ﴿وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَى أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ (لقمان:۱۵) (اگر وہ دونوں تم پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ شرک کرو جس کے بارے میں تمھیں کوئی علم نہیں ہے یعنی جس کا وجود ہی نہیں ہے تو ان کی یہ بات نہ ماننا البتہ دنیا مین ایسے وقت بھی ان کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھنا)۔

اس کا صاف حکم یہ ہے کہ آپس کے احسان کو بھی فراموش نہ کرنا، یعنی آپس میں احسان کرنے کے سلسلے کو جاری رکھنا اور کسی نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہو تو اسے بھول نہ جانا ﴿وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ﴾ (البقرۃ:۲۳۷) (اپنے درمیان احسان کو بھی فراموش نہ کرنا)، احسان فراموشی وہ بدترین خیانت ہے جس کے نتیجہ میں عام طور پر مکاری اور نفاق پیدا ہوتا ہے، اور ایسا شخص تعمیر کے بجائے، تخریب سے زیادہ دلچسپی رکھتا ہے، قرآن کریم کا اعلان تو یہ ہے، ﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ (الرحمٰن:۶۰) (اچھائی کا بدلہ تو اچھائی کے علاوہ کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے کہ اس نے تمھیں ایسے بے مثال اصول مرحمت فرمائے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ رب العزت نے اہل ایمان پر اپنے احسان کو بیان فرمایا ہے، تاکہ احسان شناسی کا جذبہ ہمیشہ زندہ وتابندہ رہے تاکہ انسان ہمیشہ شکرگزار رہے اور تربیت کی اس غیر معمولی بنیاد سے اس کی شخصیت کی تعمیر ہوتی رہے، ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ (آل عمران:۱۰۳) (اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جب تم دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پھر اس کے فضل سے تم سب بھائی بھائی بن گئے، تم آگ کے گڈھے کے دھانے پر پہنچ چکے تھے کہ اس نے تمھیں بچالیا، اللہ تعالی اسی طرح اپنی آیات کو کھول کھول کر بتاتا ہے، تاکہ تم صحیح راستہ پر رہو)۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے، ﴿وَاذْكُرُوا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (الانفال:۲۶) (یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے تمھیں اس کا اندیشہ رہتا تھا، کہ لوگ تمھیں اچک لے جائیں گے تو اللہ نے تم کو ٹھکانہ دیا اپنی مدد سے تمھیں طاقت عطا کی اور پاک وصاف چیزیں کھانے کو عطا کیں تاکہ تم شکر کرتے رہو)۔

یوں تو پورا قرآن کریم انسانوں کو ہر طرح کی خوبیوں سے آراستہ کرنے کے لیے اترا ہے، یہاں تربیت انسانی کی بعض بنیادوں کو بطور نمونہ پیش کیا گیا تاکہ ان کی روشنی میں اپنی شخصیت کی تعمیر کی جاسکے۔

غسل کے چند مسائل

مفتی راشد حسین ندوی

اسلام میں طہارت اور پاکیزگی کی بہت اہمیت ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے:﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوا﴾ (اگر تم ناپاک ہوجاؤ تو اچھی طرح پاکی حاصل کرلیا کرو)، اور حضرت ابو مالک اشعریؓ سے مسلم شریف میں ایک روایت نقل کی گئی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طہارت کو نصف ایمان قرار دیا ہے، فرمایا: "الطهور شطر الايمان" ایک دوسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہارت ہے، "عن جابر قال قال رسول الله ﷺ مفتاح الجنة الصلاة ومفتاح الصلاة الطهور". (رواہ احمد)

طہارت کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک یہ کہ بدن لباس اور جس جگہ نماز پڑھنا ہے اس کا کسی ظاہری نجاست مثلاً پیشاب پاخانہ خون وغیرہ سے پاک ہونا اس کو حقیقی اور ظاہری نجاست سے پاکی حاصل کرنا کہا جاتا ہے۔

(۲) طہارت کی دوسری قسم یہ ہے کہ انسان معنوی نجاستوں سے پاک ہو معنوی یا حکمی نجاست ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن کے پیش آنے پر وضو یا غسل کا حکم دیا گیا ہے، ان کو معنوی یا حکمی نجاست اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ جن چیزوں کے پیش آنے پر غسل کا حکم ہے ان کے پیش آنے پر ہمیں بدن پر کوئی ظاہری نجاست نظر نہیں آتی ہے، لیکن شریعت نے پورے بدن کو نجس قرار دیکر اسے دھونے کا حکم دیا، اسی طرح جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، ان کے پیش آنے پر اعضائے وضو پر ہمیں ظاہری طور پر کوئی نجاست نظر نہیں آتی ہے لیکن شریعت نے ان اعضاء کو دھونے کا حکم دیا، اسی لیے ان کو حکمی نجاست کہا گیا کہ شریعت نے ان خاص حالات میں نجاست کا حکم لگایا ہے، وضوء واجب ہوجائے تو اس کو حدث اصغر اور غسل واجب ہو تو اسے حدث اکبر کا نام دیا گیا۔

غسل کب فرض ہے

بنیادی طور پر غسل تین امور میں سے کسی ایک کے پیش آنے سے فرض ہوتا ہے: (۱) مرد یا عورت کا جنبی ہوجانا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوا﴾ (اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو خوب اچھی طرح پاکی حاصل کرو)، (۲) عورت کا حیض ختم ہوجانا، (۳) عورت کی نفاس کی حالت ختم ہوجانا اس لیے کہ قرآن مجید میں حیض سے متعلق ارشاد ہے:﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ (وہ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرمادیجیے کہ وہ ایک گندگی ہے تو حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور وہ جب تک پاک نہ ہوجائیں ان سے قربت مت کرو) تو جب وہ پاک ہوجائیں جیسے اللہ نے تمہیں بتایا ہے اس کے مطابق تم ان سے تعلق قائم کرو بے شک اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے، نیز حدیث شریف میں حضرت ام سلمہؓ کی ایک طویل روایت میں ہے کہ "فاذا خلفت ذالك فلتغتسل" (مؤطا، ابوداود) (جب حیض کی حالت ختم ہوجائے تو انہیں چاہئے کہ غسل کریں) جہاں تک نفاس کے انقطاع پر وجوب غسل کا تعلق ہے تو یہ امت کے اجماع سے ثابت ہے۔ (بدائع: ج۱/۱۵۲)

جنابت کب ثابت ہوتی ہے

جنابت دو چیزوں سے ثابت ہوتی ہے:

(۱) ایک صورت یہ ہے کہ شہوت اور لذت کے ساتھ خروج منی ہوجائے چاہے گندے خیالات کے سبب یا احتلام اور مشت زنی جیسے کسی سبب سے اور خواہ یہ خروج سوتے میں ہو یا جاگنے کی حالت میں ہو (ہندیہ ۱/۱۴)، اسی سے یہ بات واضح ہوگئی کی اگر منی شہوت کے بغیر ہی نکل گئی جیسا کہ جریان اور دھات کی بیماری میں ہوجاتا ہے تو اس سے غسل واجب نہیں ہوگا۔ (محیط ۱/۲۲۹)

(۲) جنابت کا دوسرا سبب جماع ہے۔

اس سے بھی انسان جنبی ہوجاتا ہے اور اس پر غسل واجب ہوجاتا ہے خواہ منی کا خروج ہو یا نہ ہو۔ (بدائع ۱/۱۴۷) اس لیے کہ احادیث میں اس کا حکم صراحت سے آتا ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی متفق علیہ روایت میں ہے: "اذاجلس احدکم بین شعبها الاربع ثم جهدها فقد وجب الغسل وان لم ینزل" (جب تم میں سے کوئی جماع کرے تو غسل واجب ہے اگرچہ انزال نہ ہو)، جب کوئی شخص جنبی ہوجائے تو اس کو چاہئے کہ جلد از جلد غسل کرے لیکن اگر غسل کرنے سے پہلے کچھ کھانے پینے یا سونے کا ارادہ ہو تو مسنون یہ ہے کہ وضو کرنے کے بعد ایسا کرے اس لیے کہ حضرت عائشہؓ کی متفق علیہ حدیث میں ہے: "کان النبی ﷺ اذاکان جنبا فاراد ان یاکل او ینام توضأوضوئه للصلاة" (آنحضرت ﷺ جب جنبی ہوتے اور کھانے یا سونے کا ارادہ کرتے تو آپ ﷺ نماز والا وضو کرلیا کرتے تھے) اسی طرح حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا کہ ان کو رات کے وقت جنابت لاحق ہوجاتی ہے، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا وضو کرلیا کرو، شرمگاہ دھولیا کرو، پھر سوجاؤ۔ (بخاری و مسلم) مطلب یہ کہ اس حالت میں پہلے شرمگاہ دھولو پھر وضو کرکے سوجاؤ، اسی وقت غسل ضروری نہیں ہے، یہ بھی مستحب ہے کہ ایک مرتبہ جماع کرنے کے بعد دوبارہ جماع کرنا ہو تب بھی درمیان میں وضو کرلیا جائے مسلم شریف میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جماع کرے پھر دوبارہ کرنا چاہے تو دونوں کے درمیان اسے وضو کرلینا چاہئے۔

غسل کا طریقہ

غسل میں تین چیزیں فرض ہیں: (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳) پورے بدن پر اس طرح پانی ڈالنا کہ جسم کا کوئی حصہ خشک نہ رہنے پائے (ھندیہ ۱/۱۳)، اگر کوئی مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق غسل کرے تو غسل ہو جائے گا لیکن اگر غسل کی سنتوں کا اہتمام کرتے ہوئے غسل کرے تو ظاہر بات ہے کہ یہ زیادہ باعث اجر و ثواب ہوگا۔

غسل کی سنتیں مندرجہ ذیل ہیں: (۱) غسل کی نیت کرے، (۲) بسم اللہ پڑھے، (۳) پھر گٹوں تک دونوں ہاتھ تین مرتبہ دھوئے، (۴) پھر شرمگاہ دھوئے وہاں کوئی نجاست ہو یا نہ ہو، (۵) پھر اگر بدن میں کہیں ظاہری نجاست لگی ہے تو اس کو دھوئے، (۶) پھر مکمل وضو کرے، (۷) پھر پورے بدن پر پانی ڈالے اور پانی ڈالنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سر پر تین مرتبہ پانی ڈالے پھر بائیں کندھے پر پھر دائیں کندھے پر پھر سارے بدن پر (مرقاۃ ۲/۱۲۸)، (۸) مستحب یہ ہے کہ بدن کی صفائی رگڑ رگڑ کے کرے، (۹) جہاں غسل کررہا ہے اگر وہاں پانی جمع ہوجاتا ہے تو وضو کرتے وقت پیر نہ دھوئے بلکہ غسل مکمل ہونے کے بعد وہاں سے ہٹ کر پیر دھوئے (ھندیہ ۱/۱۴) یہ احکام مختلف احادیث سے ثابت ہیں حضرت عائشہؓ کی متفق علیہ حدیث میں ہے نبی کریم ﷺ جب جنابت سے غسل کرتے تو آپ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ان کو دھوتے تھے پھر داھنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اور شرمگاہ دھوتے پھر وضو کرتے پھو سر پر تین مرتبہ پانی ڈالتے پھر پورے جسم پر پانی ڈالتے، حضرت میمونہ کی متفق علیہ روایت میں پیر بعد میں دھونے کا ذکر صراحت سے مذکور ہے۔

اگر کسی عورت کی چوٹی پہلے ہی سے بندھی ہوئی ہو اور اسے غسل کی ضرورت پیش آجائے تو اس پر چوٹی کھولنا لازم نہیں ہے بلکہ بالوں کی جڑ تک پانی پہنچانا کافی ہے، لیکن اگر بال پہلے ہی سے کھلے ہوئے ہوں تو تمام بالوں کا دھونا بھی لازم ہوگا۔ (ھندیہ ۱/۱۳) یہ حکم ام سلمہؓ کی مسلم میں مروی ایک حدیث سے صراحتاً ثابت ہے۔

اگر غسل کرلینے کے بعد عضو سے منی نکلے تو اگر جنابت پیش آجانے کے بعد پیشاب کیا یا سوگیا یا چلا پھرا، پھر غسل کرنے کے بعد ایسا ہوا تو پھر سے غسل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اگر ان امور کو انجام دینے سے پہلے غسل کرلیا، پھر منی کا خروج ہوگیا تو غسل کا اعادہ کرے۔ (ھندیہ ۱/۱۴) بہت سے حضرات غسل کرنے کے بعد نماز پڑھنا ہو تو پھر سے وضوء کرنا ضروری سمجھتے ہیں، واضح رہے کہ یہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ غسل کے بعد وضو نہیں کیا کرتے تھے، اس لیے کہ غسل کرنے سے وضوء خود بخود ہوجاتا ہے لہٰذا اب وضو کر کے پانی بہانا اسراف میں داخل ہوگا لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

ایصال ثواب کی شرعی حیثیت

محمد احسن عبدالحق ندوی

دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اور قیامت قائم ہونے سے پہلے کی مدت ''برزخ'' کہلاتی ہے، اس درمیانی مدت میں انسان کی روح اپنی متعین جگہ پہنچادی جاتی ہے اور جسم قبر کی مٹی کے ساتھ مل کر بتدریج تحلیل ہوتا جاتا ہے، لیکن اللہ اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ جسم کے منتشر ذرات اور روح کے درمیان ربط باقی رکھتا ہے، اسی ربط کی وجہ سے جسم کے منتشر اجزاء میں احساس کی کیفیت باقی رہتی ہے اور گو مکمل سزا و جزا قیامت کے بعد اس وقت شروع ہوتی ہے جب وہ جنت دوزخ میں داخل کیا جاتا ہے، لیکن اس کی تمہید قبر اور برزخ کی زندگی ہی سے شروع ہوجاتی ہے اور یہیں سے جنت کی نعمتوں سے محظوظ ہونے کا موقع بھی دیا جاتا ہے اور دوزخ کی تلخیوں سے آشنا بھی ہونا پڑتا ہے، یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب دار العمل سے اس کا رشتہ کٹ چکا ہوتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا کسی اور شخص کا عمل اس کی زندگی میں کام آسکتا ہے یا نہیں؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ ''کہ انسان کو صرف اپنی سعی اور عمل ہی کام آئے گا، دوسرے کا نہیں''۔

ایصال ثواب کے مسئلہ میں بھی امت افراط و تفریط کا شکار ہے، ایک طبقہ ایصال ثواب کے مسئلہ میں افراط کا شکار ہوکر اس حد تک آگے نکل چکا ہے کہ وہ اسی کی امید میں نماز روزہ جیسے فرائض سے بھی غافل ہوگیا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ موت کے بعد فاتحہ خوانی ہی کے ذریعہ اس کی بخشش پکی ہے، لہٰذا احکام شریعت کی بھی نعوذ باللہ کوئی خاص ضرورت نہیں، پھر اس طبقہ نے تیجہ، چالیسواں، برسی وغیرہ کے نام سے بہت ساری بدعات ایجاد کر رکھی ہیں، اور ایصال ثواب کو خود ساختہ طور پر منضبط کردیا ہے، اس کے مستقل آداب و شرائط وضع کر لیے ہیں، مثلاً شیرینی یا کھانا سامنے ہو، لوبان یا اگربتی سلگائی جائے، خاص آیات اور دعائیں پڑھی جائیں، ظاہر ہے کہ شریعت میں ان شرائط و آداب کا وجود بھی نہیں ملتا۔

ایصال ثواب کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ مرحومین کے لیے دعا کی جائے، استغفار کیا جائے، اور اگر ممکن ہو تو صدقہ وخیرات کرکے یا کچھ تلاوت وغیرہ کرکے اللہ سے دعا کی جائے کہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچ جائے، دعا بھی نہ کی، صرف دل میں ثواب کی نیت رکھ کر صدقہ کیا یا تلاوت کی تب بھی انشاء اللہ ثواب پہنچ جائے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں سے بھی واقف ہے۔

دوسری طرف تفریط یہ ہے کہ ایک طبقہ سرے سے ایصال ثواب ہی کا قائل نہیں ہے، حالانکہ یہ بھی غلط نقطۂ نظر ہے، قرآن وحدیث سے میت کے لیے دعا و استغفار کرنا ثابت ہے، اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا، اور ایصال ثواب بھی ایک دعا ہی ہے، پھر یہ کیسے کہہ دیا جاتا ہے کہ ثواب نہیں پہنچتا ہے۔

ایصال ثواب کے ثبوت کے دلائل

﴿وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ (بنی اسرائیل:۲۴) ''اور یوں دعا کرتے رہنا کہ میرے پروردگار! ان دونوں پر رحمت فرمائیے جیسا انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کیا''۔ آیت میں والدین کے حق میں دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ دعا کرنے سے ان کو فائدہ پہنچتا ہے، ورنہ دعا کرنے کو نہ کہا جاتا، اور ایصال ثواب کرنا بھی ایک دعا ہے۔

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾ (الحشر:۱۰) ''اے ہمارے پروردگار! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں''۔ آیت میں ''سبقونا بالایمان'' میں مرحومین کے لیے بلاشبہ دعا ہے، اور ایصال ثواب دعا کے سوا کچھ نہیں ہے۔

۱- آپ ﷺ نے ایک مینڈھا لانے کا حکم دیا تاکہ آپ اس کی قربانی کریں پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یا اللہ! محمد اور آل محمد اور امت محمد کی طرف سے قبول فرمالیجئے، پھر آپ ﷺ نے قربانی کی''۔ (مسلم:۵۰۹۱)

اس حدیث سے صراحۃً ایصال ثواب کا جواز معلوم ہوتا ہے،

اس لیے کہ قربانی ایک نیک عمل ہے، جس کا ثواب دوسروں کو پہنچانے کی دعا کی گئی، ایصال ثواب اسی کو کہتے ہیں۔

۲-آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے، سوائے تین چیزوں کے، صدقہ جاریہ، ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے، ایسی صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے“۔ (مسلم: ۴۲۲۳)

۳-”آپ ﷺ جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہو جاتے تو اس پر رک جاتے اور فرماتے: اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو، اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرو، اس لیے کہ اس وقت اس سے سوال ہو رہا ہے“۔ (ابوداود: ۳۲۲۱)

۴-ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول: میری ماں کی وفات ہو گئی ہے، تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ان کو نفع پہنچے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: میرا ایک باغ ہے، میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے ماں کی طرف سے صدقہ کر دیا۔ (ترمذی: ۶۶۹)

۵-ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا، اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری ماں کا اچانک انتقال ہو گیا ہے، اور انہوں نے وصیت نہیں کی، میرا خیال ہے کہ اگر وہ بات کرتیں تو صدقہ کرتیں، تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو ثواب ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ (مسلم: ۲۳۲۶)

ان دلائل میں جہاں دعا و استغفار کا ذکر ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بدنی عبادات مفید ہیں، اور جہاں صدقات کا ذکر ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مالی عبادات بھی مفید ہیں، اور دونوں کا ثواب مردے کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ بعض روایات سے ایصال ثواب کا جواز بعض سے استحباب ظاہر ہوتا ہے۔

بقیہ رہا یہ اشکال کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ (النجم: ۳۹) ”اور یہ کہ انسانوں کو (ایمان کے بارے میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی“۔

یہاں ایصال ثواب کی نفی نہیں ہے، اس لیے کہ ایصال ثواب اپنے بیٹے اور قریبی لوگ ہی کرتے ہیں، تو اس طرح ان کا ایصال ثواب خود ان کے نیک اعمال کا ہی تسلسل ہوتا ہے، اس لیے در حقیقت وہ بھی اس کی اپنی کمائی کا ایک حصہ ہیں، جیسا کہ صدقات جاریہ، کنویں وغیرہ کے سلسلہ میں حدیث میں کہا گیا ہے۔

ایصال ثواب کا مسنون طریقہ

ایصال چونکہ ایک طرح کی دعا ہے، آدمی جس طرح نماز جنازہ میں میت کے لیے دعا کرتا ہے، استغفار کرتا ہے، اسی طرح جب وہ نیک کام کرے خواہ وہ کام مالی (جیسے مسکین کو کھانا کھلانا یا کپڑے یا نقدی وغیرہ دینا یا مساجد اور دینی مدارس کی تعمیر میں حصہ لینا) یا وہ کام بدنی عبادات سے متعلق ہوں (جیسے قرآن کی تلاوت کرنا، نفلی روزے رکھنا، تسبیحات اور کلمۂ طیبہ وغیرہ پڑھنا) اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ! ان نیک اعمال کا جو کچھ ثواب مجھے ملا ہے وہ ثواب فلاں شخص کو پہنچا دیجئے، تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازے گا۔ (شامی: ۱/۶۶۶) ایصال ثواب کی حقیقت صرف اتنی ہی ہے، بقیہ جو مختلف رسمیں اور صورتیں ایصال ثواب کی رائج ہو گئی ہیں، یہ سب بے بنیاد ہیں، ان سب رسموں سے بچنا چاہیے۔

ایصال ثواب کے لیے شرعاً نہ کوئی خاص وقت یا دن مقرر ہے نہ کوئی خاص جگہ یا مخصوص عبادت، اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ اس کے لیے آدمی جمع ہوں، یا کھانا مٹھائی وغیرہ کو سامنے رکھا جائے اور اس پر دم کیا جائے، یا کسی عالم دین اور حافظ وقاری کو بلایا جائے، اور نہ یہ ضروری ہے کہ پورا قرآن ختم کیا جائے یا کوئی خاص سورہ یا دعا مخصوص تعداد میں پڑھی جائے۔ لوگوں نے اپنی طرف سے ایجاد کر کے یہ رسمیں اور پابندیاں بڑھا لی ہیں، ورنہ شریعت نے ایصال ثواب کو اتنا آسان بنایا ہے کہ جو شخص جس وقت، جس دن چاہے کوئی بھی نفلی عبادت کر کے اس کا ثواب میت کو پہنچا سکتا ہے۔

(احکام میت: ۹۸)

اجرت دے کر قرآن پڑھوانا

میت کو ثواب پہنچانے کے لیے اجرت دے کر قرآن کریم پڑھوانے کا اب عام چلن ہو گیا ہے، جبکہ اس سلسلہ میں علامہ شامی نے لکھا ہے کہ: اگر اجرت دے کر میت کو ثواب پہنچانے کے لیے قرآن کریم پڑھوایا جائے تو نہ پڑھنے والے کو اس کا ثواب ملتا ہے اور نہ جس کے نام پڑھوایا جائے اس کو ثواب ملتا ہے، بلکہ اس میں اجرت دینے اور لینے والے دونوں گنہگار ہوں گے۔ (شامی: ۶/۵۶)

صحابہ کی زندگیاں اور ہمارا کردار

سید خلیل احمد حسنی ندوی

صحابہ کرام جن کو اللہ تعالی نے ”رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ“ کا پروانہ عطا کیا، زبان رسالت نے بعد والوں کے لیے جن کو نمونہ قرار دیا، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے جن کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ”کان أبرھم قلوبا وأعمقھم علما وأقلھم تکلفا اختارھم اللہ لصحبة نبیه ولاقامة دینه“ (دلوں میں نیکی کرنے کا جذبہ، علوم میں پختگی اور گہرائی، تکلف سے پرہیز، یہ وہ ہیں جن کو اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لیے اور اپنے دین کو نافذ کرنے کے لیے منتخب کرلیا ہے)، ایک جگہ قرآن ان الفاظ میں ان کے ایمان کی مضبوطی اور تقوی کی گواہی دیتا ہے: ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ (الحجرات:۳) (یہی وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ نے تقوی کے پرکھ لیے ہیں، ان کے لیے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے) یہ بابرکت نفوس دین کا وہ اہم ستون ہیں جن کو تھام کر ہم دین کے میدان میں ترقی کرسکتے ہیں، کیوں کہ انہی حضرات کی کوششوں کے نتیجہ میں ان کے بعد والوں کو خدا کی معرفت حاصل ہوئی، اپنی پہچان ملی، آیئے! ایسے بابرکت نفوس کی زندگیوں کا مطالعہ کریں اور پھر اپنی زندگیوں کا موازنہ ان کی بابرکت زندگی سے کریں، کیوں کہ یہی ہمارے لیے نمونہ ہیں:

حضرت ابوبکرؓ جن کو ہم لوگ خلیفہ اول کے لقب سے یاد کرتے ہیں، ان کا حال یہ تھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے پینے کے لیے مانگا، لوگوں نے پانی اور شہد لاکر پیش کردیا لیکن جیسے ہی منہ کے قریب لے گئے بے اختیار آنکھوں سے آنسو بھر آئے اور اس قدر روئے کہ تمام حاضرین پر رقت طاری ہوگئی، جب کسی قدر سکون ہوا تو لوگوں نے گریہ وزاری کی وجہ پوچھی، بولے، ایک روز میں رسول ﷺ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ کسی چیز کو دور دور کہہ رہے تھے، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ کیا چیز ہے جس کو دور فرمارہے ہیں؟ میں تو کچھ نہیں دیکھتا، ارشاد ہوا کہ ظاہر فریب دنیا مجسم ہوکر میرے سامنے آئی تھی، میں نے اس کو دور کردیا، اس وقت یکایک مجھے یہ واقعہ یاد آگیا، اور ڈر ہوا کہ میں اس کے دام تزویر میں پھنس نہ جاؤں، آپ نے جب اس دنیا سے پردہ فرمایا تو مقروض تھے، وصیت فرمائی تو یہ کہ میرا فلاں باغ بیچ کر بیت المال کا قرض ادا کیا جائے اور میرے مال میں جو چیز فاضل نظر آئے وہ عمر بن خطابؓ کے پاس بھیج دی جائے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وفات کے بعد جائزہ لیا گیا تو صرف یہ چیزیں زیادہ نکلیں ایک غلام ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں، چنانچہ یہ تمام چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی گئیں، خلیفہ دوم کی آنکھوں سے عبرت کے آنسو نکل آئے، رو کر بولے ابوبکرؓ خدا تم پر رحم کرے تم نے پس از مرگ بھی زہد کا دامن نہ چھوڑا۔

یہ وہ صحابی رسول ہیں جن کو افضل البشر بعد الانبیاء کا لقب ملا، جن کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ میں نے تمام لوگوں کا بدلہ چکادیا سوائے ابوبکر صدیقؓ کے، ان کو اللہ تعالی قیامت کے دن بدلہ دے گا، ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی نے جب سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اس دن سے قیامت تک جو بھی خدا پر ایمان لائے گا اس کا ثواب مجھے عطا کرے گا اور میری نبوت پر اس دن سے قیامت تک جو بھی ایمان لائے گا اس کا ثواب حضرت ابوبکرؓ کو عطا کرے گا۔

علامہ شبلی نعمانیؒ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے دور خلافت اور پھر ان کے نجی حالات کی یوں منظر کشی کرتے ہیں:

”ان کی زندگی کی تصویر کا ایک رخ یہ ہے کہ روم وشام پر فوجیں بھیج رہے ہیں، قیصر وکسری کے سفیروں سے معاملہ پیش ہے، خالدؓ وامیر معاویہؓ سے باز پرس ہے، سعد بن ابی وقاصؓ، ابوموسی اشعریؓ، عمرو بن العاصؓ کے نام احکامات لکھے جارہے ہیں، دوسرا رخ یہ ہے کہ بدن پر بارہ پیوند کا کرتا ہے، سر پر پھٹا سا عمامہ ہے، پاؤں میں پھٹی جوتیاں ہیں پھر اس حالت میں یا تو کاندھے پر مشک لیے جارہے ہیں کہ بیوہ عورتوں کے گھر پانی نہیں ہے یا مسجد کے گوشے میں فرش خاک پر لیٹے ہیں اس لیے کہ کام کرتے کرتے تھک گئے ہیں او رنیند کی جھپکی سی آگئی ہے، بارہا مکہ سے مدینہ تک سفر کیا لیکن خیمہ یا شامیانہ کبھی ساتھ نہیں رہا جہاں ٹھہرے کسی درخت پر چادر ڈال دی اور اسی کے سایہ میں پڑ رہے، ابن سعد کی روایت ہے کہ ان کا روزآنہ خانگی خرچ دو درہم تھا جس کے کم وبیش دس آنے ہوتے ہیں“۔

یہ اس شخص کے نجی حالات ہیں جو خلیفہ وقت ہے، اور جس

کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ (۲۲۵۱۰۳۰) میل مربع ہے، اور جس کی فضیلت میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے۔

سیرت نگار خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر چہ بذات خود دولت مند تھے، لیکن زمانہ خلافت میں نہایت سادہ زندگی بسر فرماتے تھے، مسجد میں سرہانے چادر رکھ کر لیٹ جاتے تھے، اٹھتے تھے تو بدن میں کنکریوں کے چھبنے کے نشان نظر آتے تھے، آپؓ نے اپنی فیاضی اور مال و دولت سے اس وقت اسلام کو فائدہ پہنچایا جب اس امت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر موجود نہیں تھا، ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے ان کے ایک عمل سے بے انتہا خوش ہو کر یہ جملہ ارشاد فرمایا، آج کے بعد عثمان کچھ بھی کریں ان کو اس کا نقصان نہیں پہنچے گا۔

خلیفہ رابع حضرت علیؓ کی زندگی ان کے اس جملہ میں سمٹ آتی ہے جو انہوں نے دنیا کو مخاطب کر کے کہا تھا، دور ہو دور ہو، میں نے تجھ کو تین طلاقیں دی، اب رجعت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، تیری عمر بہت مختصر ہے، اور تجھ سے حاصل ہونے والا مزہ بہت معمولی ہے، لیکن خطرات اس میں بہت زیادہ ہیں، افسوس کہ زادراہ کم ہے، سفر لمبا ہے، اور راستہ وحشت ناک ہے۔

یہ خلفاء اربعہ کی نجی زندگی کے چند نمونے ہیں، ورنہ اس دامن فیض سے وابستہ ہر صحابی مثل آفتاب و ماہتاب ہے، گویا کہ زبان حال سے وہ یہ کہہ رہا ہے کہ میرا حال بھی تجھ سے کچھ جدا نہیں، ان حضرات پر خدا کا رنگ چڑھ چکا تھا، اور خدا نے اپنا رنگ اختیار کرنے کا حکم بھی دیا ہے ارشاد باری ہے ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾ (البقرۃ:۱۳۸) (اللہ کا رنگ اختیار کرو، اس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہوگا)۔

اب اگر ہم اپنی زندگیوں کا موازنہ ان بابرکت نفوس سے کریں تو ہم کو نظر آئے گا کہ ہماری زندگیوں میں صرف تعیش پسندی ہے، جب کہ ہم اس نبی ﷺ کے امتی ہیں جس نے غریبی کو امیری پر ترجیح دی، اور جس کے تربیت یافتہ افراد نے ہمارے سامنے عملی نمونہ پیش کر دیا، ہم کو اپنی زندگی کا رخ موڑنے، خواہشات کو لگام دینے، سیرت کا مطالعہ کرنے اور صحابہ کرام کے حالات سے باخبر ہونے کی ضرورت ہے، اسی میں ہماری کامیابی اور خدا کی رضامندی پوشیدہ ہے

بقیہ: امن عالم کا قیام اور امریکہ

......اور یہ ممکن ہے کہ اس راہ میں سابقہ اشترا کی طاقت وقوت ابھر آنے سے خطرہ پیدا ہو، اور پھر سے عالمی معاملات میں نئے سرے سے داخل ہو جائے۔

بلاشبہ پوری دنیا میں واحد عالمی طاقت کا غلبہ و بالادستی امن عالم کے لیے خطرہ کا باعث ہے، اس سے پہلے پورے طور پر اشترا کی نظام اور سرمایہ دارانہ نظام قائم تھا، دنیا نے واحد عالمی طاقت کی بالادستی اور دو عالمی قوتوں میں کشمکش کی تاثیر کا مشاہدہ کر لیا ہے، اس صورت حال کو بدلنا ایسی قوت سے ممکن ہے جو اہداف و مقاصد اور انسانی اقدار کا حامل ہو، جو خیر و شر، حق و باطل ظالم و جابر اور مظلوم وستم رسیدہ کے مابین تمیز پیدا کرے۔ اقوام متحدہ مختلف بحران اور کشمکش ورسہ کشی کو بغیر بیرونی مداخلت کے حل کرنے میں اپنی تاثیر کھو چکا ہے، ضرورت ہے کہ اس کو زندہ کیا جائے، تاکہ اپنا ثالثی کردار صحیح طور پر ادا کر سکے، اور ایسے وسائل اس کے پاس ہوں جس سے باغی و مخالف کو ماننے پر مجبور کیا جائے، اور اسی طرح عالمی تنظیم عدل وانصاف اور حقوق انسانی اداروں کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے اور ان کی سرگرمیوں میں خارجی مداخلت سے بالکل احتراز کیا جائے، یا کسی عالمی قوت کے حامل فریق کو اس کی نگرانی وانتظام سپرد کر دیا جائے، ورنہ پوری انسانیت کا انجام کار خطرہ کے پل پر ہے۔

بلاشبہ آج کا بنیادی مسئلہ امن وسلامتی، نظام اور آداب و کردار اور اخلاق کا پاس ولحاظ ہے، موجودہ وقت میں پوری دنیا میں امن وسلامتی معدوم شئی ہے، خاص کر یہ صورت حال عالم اسلام میں زیادہ ہے، جو بڑی طاقتوں اور بحران و کشمکش کو حل کرنے کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے اس پریشانی میں گرفتار ہے، اور یہ معصوم بچوں اور عورتوں کا خون بہانے پر مجبور کر دیتا ہے، یہ صرف شام، مصر اور عراق میں ہی نہیں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی یہی صورت حال ہے، آج انسان اپنی عزت وکرامت اور بچاؤ سے محروم ہے اور سب سے رخیص چیز بن کر رہ گیا ہے، قرآن مجید نے سچ کہا ہے ﴿ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت أيدي الناس﴾ (الروم:۴۱) اسی لیے تہذیب وتمدن اور علوم وفنون میں ترقی کے باوجود آج کے انسان کا کردار قرون مظلمہ کے انسان سے کچھ مختلف نہیں۔ (ترجمانی:- محمد نجم الدین ندوی)

برمی مسلمان
صدی کی مظلوم قوم

محمد نفیس خاں ندوی

مسلم خون سے رنگین سرزمین برما کی تاریخ کئی ہزار سال پرانی ہے، اس قدیم سلطنت کا جدید نام ''میانمار'' ہے، اس ملک میں تقریباً پانچ فیصد مسلمان آباد ہیں، لیکن یہاں کے مسلمان ہمیشہ ظلم وتشدد کا شکار ہوتے رہے، پانچ دہائیوں سے فوجی آمریت کا شکار رہنے کے بعد 2011ء میں جمہوری حکومت قائم ہوئی، اس جمہوریت کے آتے ہی ملک میں فسادات کی ایک لہر چل پڑی، جس میں لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ہلاک ہوئے یا دوسرے ممالک ہجرت کرنے اور کیمپوں میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور ہوئے۔ یہ وہی جمہوریت ہے جس کے لیے اپوزیشن کی لیڈر ''آن سانگ سوچی'' بیس سال سے نظر بند تھیں، اور انھیں میانمار میں جمہوریت کی بحالی کی کوششوں کے بدلہ ''نوبل انعام برائے امن'' بھی دیا گیا۔

میانمار میں مسلمانوں کی موجودہ حالت زار جو ہم تک پہنچ رہی ہے وہ حقیقت حال کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے، میانمار کا شمالی علاقہ ہے ''اراکان'' جہاں سب سے زیادہ بربریت کا مظاہرہ ہوا، اس علاقہ میں کسی بھی صحافی کو قلم یا کیمرہ لے جانے کی اجازت نہیں ہے، دراصل حکومت کو یہاں کا مسلمانوں کا وجود ہی گوارہ نہیں ہے۔ ان کی جائدادیں چھین لی گئیں، ان کی شہریت ختم کردی گئی، اور اپنے ملک میں وہ بے وطن ہوگئے۔

میانمار میں مسلمانوں کے قتل کا واقعہ کوئی پہلا اور انوکھا نہیں ہے، حال ہی میں میانمار کے مسلم اکثریتی علاقہ رخائن میں تازہ حملوں میں تیس سے زائد مسلمان شہید ہوئے اور درجنوں گھروں کو نذر آتش کردیا گیا، یہیں رخائن میں 2002ء میں بدھسٹوں نے بربریت کی انتہا کردی تھی، 200 افراد ہلاک اور ہزاروں افراد بے گھر ہوئے تھے، اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق روہنگی مسلمان دنیا کی سب سے زیادہ ستائی جانے والی قوموں میں سے ایک ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق گذشتہ چند ماہ کے دوران تقریباً 35 ہزار مسلمان شہید اور 50 ہزار سے زائد زخمی کیے جاچکے ہیں، جبکہ ایک لاکھ سے زائد لاپتہ ہیں، اور تقریباً اتنے ہی مسلمان حملہ آوروں کے خوف سے دلدلی علاقوں اور جنگلوں میں روپوشی کی زندگی بسر کررہے ہیں۔

آج میانمار میں جو کچھ بھی ہورہا ہے اسے صرف چند ہزار مسلمانوں کے قتل سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ منظم مسلم نسل کشی ہے، اور حکومت کے اعلان کے مطابق یہاں مسلمان شہری اور قانون حقوق کے مستحق بھی نہیں ہیں، افسران اعلی اس بات کا دعوی کرتے ہیں مسلمان اس ملک کے اصلی باشندے نہیں ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان یہاں پر صدیوں سے آباد ہیں، اور روہنگیا اور راکھین دونوں علاقے خالص مسلم آبادی والے تھے، راکھین تو 1784ء تک ایک آزاد مسلم ملک تھا جس پر برمیوں نے قبضہ کرلیا، لیکن اس کے باجود برمیوں کا نعرہ ہے کہ ''برما صرف برمیوں کا ہے''، یہ صورتحال فلسطین کی صورتحال سے بالکل مختلف نہیں۔ ورنہ کیا اس حقیقت سے انکار ممکن ہے کہ بدھ مت کا آغاز ہندوستان میں ہوا، جسے اس دیش سے نکال باہر کیا گیا اور پھر اس نے برما کو اپنا مرکز بنالیا۔

برما میں مسلمانوں کے قتل عام کو ''صدی کی بربریت'' سے تعبیر کرنا زیادہ مناسب ہوگا، اس ملک میں مسلم نسل کشی کے واقعات نہایت دلخراش ہیں، زیادہ تر افراد کو آگ لگا کر زندہ ہی جھونک دیا گیا، بچوں اور عورتوں کو بھی درندگی سے قتل کیا گیا، لاشوں کے ڈھیر، جلے ہوئے مکانات، اور خون کی دھاروں سے نہیں لگتا کہ یہاں انسانیت زندہ ہے یا گوتم بدھ کو ماننے والے درندوں سے کم ہیں۔

بدھسٹوں کے ظلم سے جان بچا کر جو مسلمان قریبی ممالک میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے انھیں بھی بدترین صورت حال کا سامنا ہے، بنگلہ دیش اور تھائی لینڈ میں ان کے ساتھ بہت ہی برا سلوک کیا جاتا ہے۔

برمی مسلمان نہ کسی ملک کے بھگوڑے ہیں، نہ کسی دیش کے غدار ہیں، نہ انھوں نے انسانیت سوز کوئی حرکت کی ہے، نہ کسی طرح کی اخلاقی یا سماجی جرائم کے وہ مرتکب ہیں، ہاں! ان کا ''سنگین جرم'' صرف اتنا ہے کہ انھوں نے اپنی دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لیے مذہب اسلام کو اختیار کیا، اور آج کی ''مہذب دنیا'' اس ایک جرم کو کسی صورت معاف نہیں کرسکتی۔ لیکن برمی مسلمان غیروں سے زیادہ اپنوں سے شاکی ہیں جو اپنے اقتدار کے نشہ میں اتنے مست ہیں کہ انھیں دنیا کی اس مظلوم ترین قوم کا خیال تک نہیں آتا!!

جُریج کی آزمائش

ابوالعباس خاں

بات کئی سو سال پرانی ہے، جریج نامی ایک نوجوان تھا، ظاہری حسن وباطنی کمالات سے آراستہ، عبادت وبندگی میں بے مثل، پاک دل وپاک سیرت، برائیوں سے کوسوں دور، نہ کبھی برائی کا خیال گذرا، نہ کبھی کسی نامحرم پر نظر ڈالی، دنیا کے جھمیلوں سے دور ایک سنسان جگہ پر اس نے اپنی عبادت گاہ بنالی تھی، ذکر وتلاوت میں اس کی صبح ہوتی اور خوف خدا میں آنسو بہاتے اس کی شام ہوتی، لوگوں میں اس کی شرافت ضرب المثل تھی، اس کی پاکدامنی کی قسمیں کھائی جاتی۔

اس کی زندگی میں اس کا اپنا کوئی نہ تھا، صرف ایک ماں تھی جس سے بھی وہ دور رہتا اور اپنی بندگی میں یکسو ہوجاتا، اتفاق کی بات ایک دن اس کی ماں کسی ضرورت سے اس کی عبادت گاہ پہنچی، خدا کی بندگی میں اسے اس قدر لطف آرہا تھا کہ اس نے ماں کی آواز پر دھیان نہ دیا، اور کسی قدر بے توجہی کے عالم میں کہہ دیا کہ میں ابھی اپنی عبادت میں مشغول ہوں۔

ماں! شاید اسے کچھ ضرورت تھی، شاید وہ اپنے بیٹے کو دیکھنا چاہتی تھی، شاید اس کی ممتا نے اسے بے قرار کردیا تھا، لیکن اس روکھے سے جواب پر اس کا دل مسوس کر رہ گیا، چپ چاپ واپس چلی گئی، اور دوسرے دن پھر اسی وقت آئی، لیکن اتفاق آج بھی وہ اپنی عبادت میں مشغول تھا، پھر یہی واقعہ تیسرے دن بھی پیش آیا۔ ماں کا دل ریزہ ریزہ ہوگیا، اس نے اپنی آہ کو اپنے سینہ میں دفنا دیا، لیکن شدت ضبط کے باوجود ان آہوں نے الفاظ کا روپ دھار لیا اور بے ساختہ اس کی زبان سے نکل گیا کہ خدایا اس کی زندگی میں اسے بھی رسوا کردے۔

دن گذرتے گذرتے قوم میں کچھ حاسدین پیدا ہوگئے، وہ جریج کی عزت لینا چاہتے تھے، اس کی پاکبازی سے وہ کسی صورت خوش نہ تھے، انھوں نے جریج کو بدنام کرنے کے ہر ممکن جتن کیے لیکن کسی صورت کامیابی نہ مل سکی۔

اسی بستی میں ایک فاحشہ بھی رہتی تھی، کہتے ہیں کہ اس کے حسن میں جادو کا اثر تھا، اس کی خوبصورتی کے سامنے بڑے بڑے سورما ڈھیر ہوجاتے تھے، اس نے بھی جب جریج کی خوبصورتی، اور اس کی پاکدامنی کی مثالیں سنیں تو وہ تلملا اٹھی اور جریج کو اپنے بس میں کرنے کا تہیا کرلیا، پس وہ بن سنور کر، اپنی اداؤں کو سمیٹ کر جریج کے سامنے جا پہنچی، اس پر ڈورے ڈالنے لگی، اپنی دلکش اداؤں سے اسے لبھانے لگی، لیکن وہ خدا کا بندہ اپنے ایمان کا مضبوط قلعہ تھا، اس نے بے رخی کے ساتھ اس فاحشہ کو جھڑک دیا، اس پر بے شمار لعنتیں بھیجی اور اپنی عبادت گاہ سے دفع کردیا۔

اس بے عزتی پر اس کا غرور پاش پاش ہوگیا، اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا، بدلہ کی آگ میں وہ جھلس اٹھی، لیکن جسم کی بھوک نے اسے اندھا بنا دیا تھا، راستہ میں اسے ایک چرواہا نظر آیا، اس نے خود کو اس چرواہے کے سپرد کردیا، اور اس چرواہے سے وہ حاملہ ہوگئی۔

ایک مدت بعد اس نے ایک بچہ کو جنم دیا، معاشرہ میں چہ می گوئیاں شروع ہوگئیں کہ یہ بچہ کس کا ہے، اس فاحشہ نے کہہ دیا کہ یہ بچہ جریج کا ہے، جریج کا نام سنتے ہی کہرام مچ گیا، حاسدین کی زبانیں زہر اگلنے لگیں، ہر طرف سے تھوتھو کا سلسلہ شروع ہوگیا، ایک بھیڑ نے جریج کی عبادت گاہ کو بھی مسمار کردیا، ان کو گالیاں دیں، انھیں زدوکوب کیا، داڑھی کے بال نوچے، اور گھسیٹ کر باہر لے آئے۔

جریج کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا تھا، کیوں یہ لوگ پاگل ہوگئے ہیں، کیوں اس کی جان کے درپے ہیں، آخر اس نے کون سا جرم کردیا کہ لوگ اپنے ہوش کھو بیٹھے ہو، اس نے پوچھا کہ یہ سب تماشا کیوں ہے؟ تم سب کو کیا ہوگیا؟ کسی نے بڑھ کر کہا تونے اس عورت کے ساتھ منھ کالا کیا ہے، اور یہ بچہ تیرے کرتوتوں کا گواہ ہے۔ یہ سنتے ہی جریج کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی، اتنی بڑی تہمت سن کر وہ لرز اٹھا، اس کے لاکھ انکار کے باوجود کسی نے اس کی ایک نہ سنی، جریج نے کہا کہ ٹھیک ہے تمہیں جو کرنا ہے کرلو لیکن پہلے مجھے نماز پڑھ لینے دو۔ جریج نے پوری یکسوئی سے نماز مکمل کی، اپنے رب کے سامنے گڑگڑا کر اپنی عاجزی ظاہر کی۔

نماز بعد جریج نے کہا کہ بچہ کو لاؤ، اس نے بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پوچھا کہ بتا تیرا باپ کون ہے؟ خدا کی قدرت، بچہ بول اٹھا کہ فلاں چرواہا اس کا باپ ہے۔ یہ سننا تھا کہ لوگ جریج کے قدموں پر گر پڑے، ان کے ہاتھ پیر چومنے لگے، اپنی غلطی پر معافی مانگنے لگے، سب نے کہا کہ ہم تمہاری عبادت گاہ کو سونے کا بنادیں گے، لیکن جریج نے کہا کہ اسے بس پہلی کی حالت پر کردو۔

جریج کو بھی احساس ہوا کہ ماں کا دل دکھانے پر یہ آزمائش ہوئی ہے، لیکن آج کی نسل کو خیال ہی نہیں گذرتا کہ وہ اپنے والدین کو کیسی کیسی اذیتیں دے کر اپنی دنیا اور آخرت برباد کررہے ہیں!!

نشانِ منزل

افادات

سید التابعین حضرت سعید بن المسیب مخزومیؒ

☆مصیبتوں میں پھنس کر اللہ پر یقین کمزور نہیں ہونا چاہیے بلکہ اللہ وہ مالک ہے جس کی طاقت سب قوتوں سے بڑھ کر ہے، وقت آنے پر سب فنا کر دیئے جائیں گے۔

☆اگر مسلمان کے دل کا رخ قبلہ کی جانب نہیں رہتا تو ظاہری طور پر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا کچھ کام آنے والا نہیں۔

☆شیطان اپنے منصوبے میں ناکام ہونے کے بعد عورت کا استعمال کرتا ہے کیونکہ جو کام وہ نہیں کر سکتا اس کو عورتیں اپنے فریب میں لاکر آسانی کے ساتھ کر سکتی ہیں۔

☆نفس کی سب سے بڑی عزت خدا کی عبادت میں لگنا ہے اور نفس کی سب سے بڑی تحقیر خدا کی نافرمانی ہے۔

☆دنیا ایک ایسی شئی ہے جس کو انسان بغیر حق کے حاصل کرتا ہے، کبھی بے جا وسیلوں کا سہارا لے کر تو کبھی اس کو بے محل صرف کر کے۔

☆اعمال صالحہ کی حفاظت میں یہ بھی ہے کہ تم ظالموں کو دیکھو تو ان کو دل سے برا سمجھو۔

☆اگر انسان کی دولت کمانے میں خیر کی نیت شامل نہیں ہے تو وہ مال اس کے لیے وبال ہے جس کا نتیجہ اس کے سامنے آنے والا ہے۔

☆انسان معاشرہ میں اسی وقت رسوا ہوتا ہے جب خدا اس کو اپنی نگرانی سے باہر نکال دیتا ہے۔

☆یوں تو کوئی انسان عیب سے محفوظ نہیں ہے لیکن وہ لوگ جن کی بھلائیاں ان کی خامیوں سے زیادہ ہوں تو ان سے عفو ودرگزر کا معاملہ ہی کرنا چاہیے۔

☆عبادت کا مطلب ہے کہ انسان اللہ کی طرف سے حرام کی ہوئی چیزوں سے بچنے کی پوری کوشش کرے، اور خدا کے احکامات میں غور وفکر کرتا رہے۔

☆انسان کا نفس ہی حقیقت میں تمام برائیوں اور گندگیوں کا سر چشمہ ہے، اس لیے اس کی اصلاح سب سے ضروری ہے۔

☆انبیاء کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھنے میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس میں بے ادبی نہ ہونے پائے۔

☆چھوٹے حجم کے قرآن یا چھوٹی مسجد کو "چھوٹا" نہیں کہنا چاہیے، یہ بھی لفظی بے ادبی ہوگی، کیونکہ اللہ نے ان کو عظمت عطا فرمائی ہے۔

☆جو خدا کے حقوق کی حفاظت کرنے والا ہو، خدا اس کو ظالموں کے مکر سے محفوظ رکھتا ہے۔

☆اگر انسان کا قلب مردہ ہو جائے تو اس کو خوشی ہو یا غم کوئی اثر محسوس ہی نہیں ہوتا۔

☆پانچ وقت کی نماز کی پابندی کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے سارے عالم کو عبادت سے بھر دیا ہو۔

☆آدمی کو کم از کم اتنی تو دنیا حاصل کرنی ہی چاہیے جس سے وہ اپنے دین وجسم کی حفاظت کر سکے۔

☆انسان کو اگر دوسرے کے گناہوں کا علم ہے تو بہتر یہ ہے کہ وہ جہاں تک ہو سکے پردہ پوشی سے ہی کام لے۔

☆جن لوگوں کے ہاتھ ظلم میں رنگین رہتے ہیں اور حج پر حج بھی کرتے ہیں تو اللہ کے نزدیک ان کا حج مقبول نہیں ہوتا۔

☆اگر کسی کے گناہ کی پردہ پوشی کی جائے اور اس کو احساس بھی دلایا جائے تو ممکن ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے تائب ہو جائے۔

☆ناموں کے انتخاب میں ہمیشہ باریکی سے کام لینا چاہیے ورنہ تجربہ یہ ہے کہ اگر نام کے معنی غلط ہوں تو اس کی نحوست ہمیشہ گھر میں چھائی رہتی ہے۔

انتخاب:۔محمد ارمغان بدایونی ندوی

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

Volume:06

March 2014

Issue:03

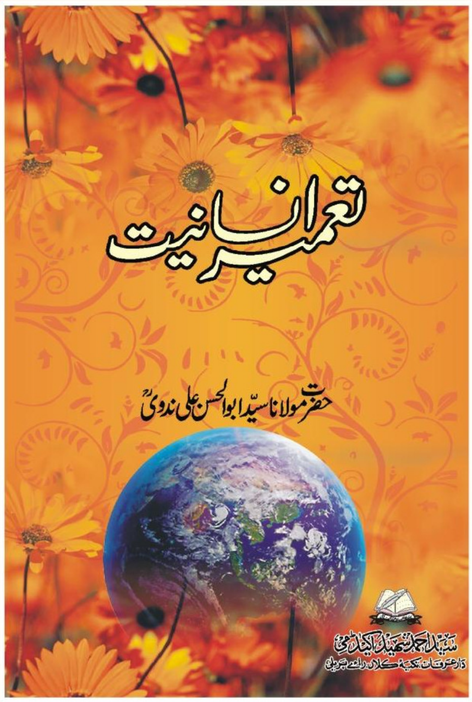

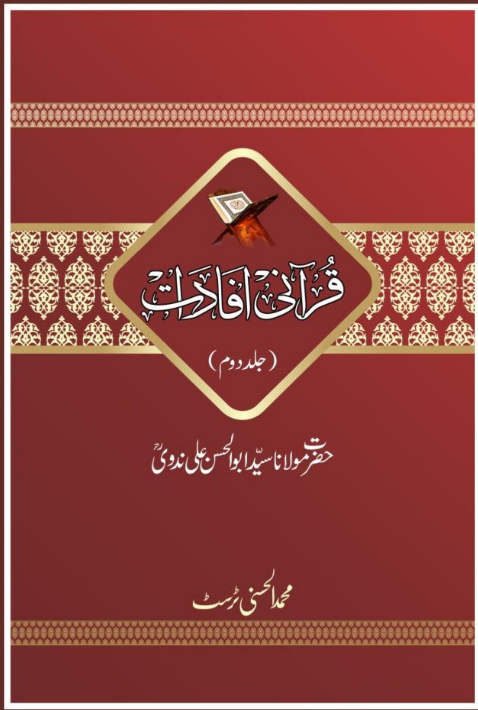

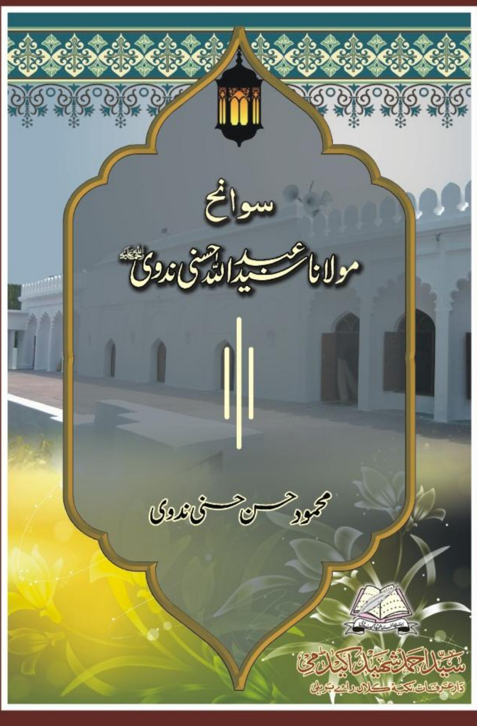

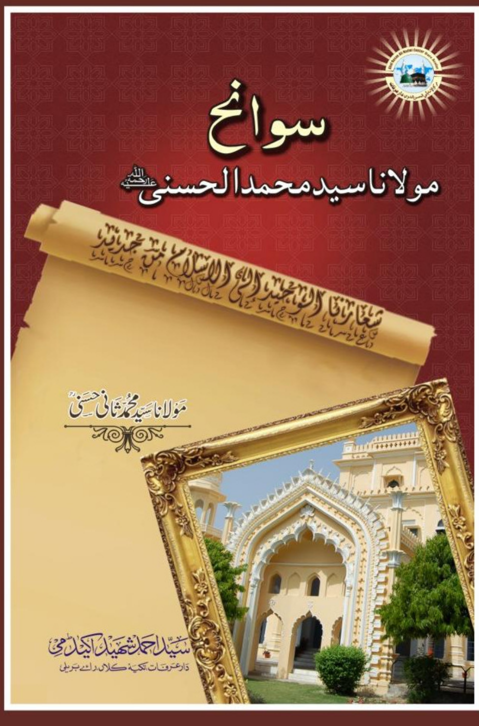

Sayyid Ahmad Shaheed Academy (Contact: 9919331295)

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9918385097, 9918818558
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)